ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوّت

ملتان

ذوالحجہ ۱۴۲۲ھ

③

مارچ ۲۰۰۲ء

مسئلہ کشمیر اور پاکستان میں اسلام

(حضرت امیرِ شریعت رحمہ اللہ کی تاریخی پیشین گوئی)

جدید فکری مغالطے

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم

جوازِ شعر پر استدلال

محسن احرار سید عطاء المحسن بخاری

رحمہ اللہ کی غیر مطبوعہ تحریر

یہودی سازشیں اور امتِ مسلمہ

مسٹر بش کی تقریر اور بین الاقوامی ردّعمل

دینی مدارس

حکومتی اقدامات و اعلانات

اخبار الاحرار

مرچ مسالے دار مرغّن غذا

نظامِ ہضم کی خرابی کا باعث بن سکتی ہے

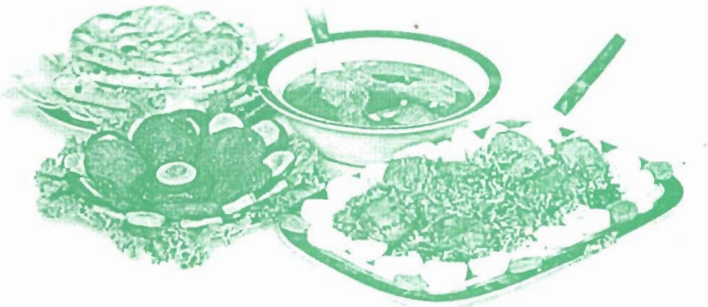

نئی کارمینا لیجیے، یہ آپ کو بدہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن اور تیزابیت سے محفوظ رکھے گی۔

نئی کارمینا

ہاضم ٹکیاں، ہر گھر کی اہم ضرورت

ہمدرد

مکتبۃ الحکمۃ تعلیم سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:

www.hamdard.com.pk

Adarts-CAR-1/2000

ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

Regd: M. No.32

جلد ۱۳	شمارہ ۳	قیمت ۱۵ روپے

ذوالحجہ 1422ھ
مارچ 2002ء

بیاد
سید الاحرار
حضرت
امیر شریعت
سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی

ابن امیر شریعت، خطیب بنی ہاشم، محسن احرار
مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ
ابن امیرِ شریعت حضرت پیرجی
سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

مدیر مسئول

سید محمد کفیل بخاری

رفقاء فکر

مولانا محمد اسحٰق سلیمی
پروفیسر خالد شبیر احمد
عبداللطیف خالد چیمہ
سید یونس الحسنی
مولانا محمد مغیرہ
محمد عمر فاروق

زرِ تعاون سالانہ
اندرونِ ملک 150 روپے
بیرونِ ملک ۱۰۰۰ روپے پاکستانی

رابطہ: دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان ☎ 061.511961

تحریک تحفظ ختم نبوت ﷺ مجلس احرار اسلام پاکستان

ناشر: سید کفیل بخاری — طابع: تشکیل احمد اختر — مطبع: تشکیل نو پرنٹرز — مقام اشاعت: دار بنی ہاشم ملتان

طباعت با اہتمام: الکتاب گرافکس پل شوالہ ملتان Ph:061-584604

تشکیل

اداریہ:	قانونِ توہینِ رسالت اور امتناعِ قادیانیت کو ختم کرانے کی امریکی سازش	مدیر	۳
افکارِ احرار:	مسئلہ کشمیر اور پاکستان میں اسلام	سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	۵
دین و دانش:	حجاز قبول حق کیلئے بہترین خطہ	پروفیسر ابوالاعجاز حفیظ صدیقی	۶
افکار:	دینی مدارس کے بارے میں حکومتی اقدامات و اعلانات	مولانا محمد حنیف جالندھری	۱۸
//	// خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمیؐ	مولانا زاہد الراشدی	۲۸
//	// مسٹر بش کی تقریر اور بین الاقوامی ردِ عمل	سید یونس الحسنی	۳۱
//	// جدید فکری مغالطے	ملا معاویہ حنفی	۳۵
//	// یہودی سازشیں اور امت مسلمہ	محمد عابد مسعود ڈوگر	۴۰
ادب:	جوازِ شعر پر استدلال	سید عطاء المحسن بخاریؒ	۴۴
نقد و نظر:	سبحانک ھذا بہتان عظیم (آخری قسط)	مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی	۴۵
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات ان کی	عینک فریمی	۵۴
شاعری:	نعت (پروفیسر محمد اکرام تائب) حق کا بیڑا پار دیکھ	جانباز مرزا مرحوم	۵۶
//	// بھارت سے مذاکرات ناممکن	ملک وزیر غازی ایڈووکیٹ	۵۷
//	// جو ہم بدلے تو شکوہ کیوں کریں ان کے بدلنے کا	سید کاشف گیلانی	۵۹
اخبار الاحرار:	رہنمایانِ احرار کی تبلیغی و تنظیمی سرگرمیاں	ادارہ	۶۰
حسنِ انتقاد:	تبصرہ کتب	ادارہ	۶۲
ترجیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	۶۴

قانونِ توہین رسالت اور امتناع قادیانیت کو ختم کرانے کی

امریکی سازش

امریکی ایوان نمائندگان میں ایک قرارداد پیش کی گئی ہے جس میں پاکستان پر زور دیا گیا ہے کہ توہین رسالت اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی آئینی شق کالعدم قرار دی جائے۔ یہ قرارداد جنرل پرویز مشرف کے سرکاری دورۂ امریکہ کے موقع پر 14 فروری 2002ء کی شام ایوانِ نمائندگان میں پیش کی گئی۔ پاکستان سے متعلق قرارداد بین الاقوامی تعلقات کمیٹی کے سپرد کر دی۔ قرارداد میں حقوق انسانی کے عالمی اعلامیہ کی شق 18 کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں کسی کے مذہب تبدیل کرنے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔

''حقوق انسانی کے عالمی اعلامیہ میں جو امریکہ اور دیگر مغربی طاقتوں نے تیار کھایا ہے ہر عقیدے پر عمل درآمد اور اس کی تبدیلی کی کھلی اجازت دی گئی ہے'' (روزنامہ پاکستان لاہور، ۱۹ فروری ۲۰۰۲ء)

سقوط کابل کے بعد اسلام اور عالم اسلام کے خلاف امریکہ کے جارحانہ اقدامات میں بہت تیزی آ گئی ہے۔ پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکی مداخلت روز افزوں ہے۔ درج بالا قرارداد ایک واضح ایجنڈا ہے اور اس پر عمل درآمد کے لئے ہر ممکن طریقے سے ماحول سازگار بنایا جا رہا ہے۔ پاکستان میں کفار و مشرکین کی ایجنٹ این جی اوز کے ذریعے قانونِ توہینِ رسالت کے خلاف شور شرابا اور غل غپاڑا کرا کے قانون کو غیر مؤثر بنا دیا گیا۔ اس مکروہ کھیل کے پس پردہ قادیانی پوری قوت کے ساتھ متحرک ہیں۔ امریکی ایوانِ نمائندگان میں پیش کی جانے والی یہ قرارداد قادیانیوں کے صیہونی ایجنٹ ہونے کا دستاویزی ثبوت ہے۔ اگر کوئی امریکی ایوان کے عیسائی اور یہودی نمائندوں کو مسلمان قرار دیتا تو ان کی ناراضی اور برہمی قابل فہم تھی لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ انہیں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے پر اعتراض ہے۔ ہم انہی صفحات میں متعدد بار اس خطرہ کی نشاندہی کر چکے ہیں کہ قانونِ توہین رسالت کو غیر مؤثر تو پہلے ہی کر دیا گیا ہے اب اسے ختم کرنے کی منصوبہ بندی ہو رہی ہے۔ خود جنرل پرویز مشرف اپنے ایک خطاب میں اس بات کا اعتراف کر چکے ہیں کہ وہ توہینِ رسالت قانون پر بھی ہاتھ ڈالنا چاہتے تھے۔ مگر ملکی و قومی مفاد میں اس اقدام سے رک گئے۔ حالات و قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کسی دن یہ امریکی مطالبہ بھی ''وسیع تر ملکی و قومی مفاد'' میں (خدانخواستہ) پورا کر دے گی۔

مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر و قائد سید عطاء المہیمن بخاری نے 8،7 مارچ کو چناب نگر میں منعقدہ اٹھائیسویں سالانہ شہداءِ ختم نبوت کانفرنس میں اربابِ حکومت کو خبردار کیا ہے کہ وہ '' قانونِ توہینِ رسالت، قراردادِ اقلیت اور قانونِ امتناعِ قادیانیت کو چھیڑنے سے باز رہے'' یہ مسائل متفقہ طور پر آئین میں طے ہو چکے ہیں۔ جذب و عشق کا یہ معاملہ انتہائی حساس اور نازک ہے۔ ان مسائل کا تعلق امتِ مسلمہ کے بنیادی عقائد سے ہے۔ انہیں ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو قوم اپنی جانوں پر کھیل کر بھی اپنے عقائد کا تحفظ کرے گی اور مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد کے نتائج وثمرات کو برباد نہیں ہونے دے گی۔ قائد احرار نے بجاطور پر امت مسلمہ کی ترجمانی کی ہے۔ تمام دینی جماعتوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کے بھی یہی جذبات ہیں اور ان میں مکمل اتفاق و ہم آہنگی لاریب عطیہ الٰہی ہے۔ ان شاء اللہ حکومت اس محاذ پر منہ کی کھائے گی۔

پاکستان سیکولرازم کے راستے پر اور سیکولر بھارت میں مسلم کش فسادات

پاکستان کے لادین حکمرانوں اور سیاستدانوں نے مل کر جناح کا پاکستان 1971ء میں ختم کیا اور اب نظریۂ پاکستان کی تدفین کے انتظامات مکمل کر لئے گئے ہیں۔ نئے اور روشن خیال پاکستان کی تعمیر ہو رہی ہے۔ پاکستان اور بھارتی افواج سرحدوں پر آمنے سامنے کھڑی ہیں۔ بھارتی صوبہ گجرات کے مسلم کش فسادات میں تاریخ کے بدترین مظالم ہو رہے ہیں۔ جنونی ہندو مسلمانوں کو بے دردی سے قتل کر رہے ہیں۔ لیکن مملکت خداداد پاکستان میں اظہارِ غم کی بجائے کتوں کی لڑائی کے ملکی سطح پر مقابلے ہو رہے ہیں۔ بسنت منائی جا رہی ہے۔ بوکاٹا اور فلمی فحش گانوں کے شور میں احمد آباد کے شہید و مظلوم مسلمانوں کی چیخوں، آہوں اور سسکیوں کو دبا دیا گیا ہے۔ ٹیلی ویژن پر فحاشی و عریانی پھیلائی جا رہی ہے۔ تمام ذرائع ابلاغ شیطانی کھیل کے لئے وقف کر دیئے گئے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ سب کچھ روشن خیال پاکستان کی ترقی پسند حکومت کی سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ حکمِ شاہی یہ ہے کہ جسے پروگرام پسند نہیں وہ ٹی وی بند کر دے۔ یہ نظریۂ پاکستان کی جدید تشریح اور جناح اور اقبال کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ اگر ترپن سال بعد پاکستان کو اسلامی جمہوریہ کی بجائے سیکولر ہی بنانا تھا تو جناح و اقبال کو سیکولر بھارت میں رہنے پر کیا اعتراض تھا؟ تین لاکھ مسلمانوں نے جان کی قربانی کیوں دی اور پچپن ہزار بیٹیوں نے اپنی عصمتیں اسی بسنتی اور کٹتے پال معاشرے کی تشکیل کے لئے برباد کی تھیں؟ امریکہ، روس کے بعد اب پاکستان میں کسی گورباچوف کے ذریعے ''تشکیلِ نو'' کر رہا ہے۔ پاکستان کو سیکولرازم کی شاہراہ پر گامزن کرنے والے یاد رکھیں کہ آج سیکولر بھارت میں اپنے مسلمان بھائیوں کے قتلِ عام پر آنسو بہانے کی بجائے جشنِ بسنت منانے والے پاکستانی سیکولرسٹوں پر برا وقت آیا تو ان پر بھی کوئی آنسو نہیں بہائے گا۔ جشن ہی منائے گا۔ عالمی سامراج اسی جشن کی تکمیل کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کھچے پاکستان کی حفاظت فرمائے۔ اور غیرت وحمیت کی نعمتیں ہمیں لوٹا دے۔ (آمین)

مسئلہ کشمیر

کشمیر جو ہمن میں جنت نشان ہے۔ جس کے متعلق میری رائے ہے کہ پروردگار عالم نے آسمانوں پر اپنی موجودگی میں تیار کرا کے اسے زمین پر اتارا اور وہ جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ اس جنت ارضی میں اب نہیں بلکہ ۱۹۳۰ء سے مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ اس زمانے میں ہم مجلس احرار والوں نے اسی کشمیر کے متعلق مسلمانوں سے ایک بات کہی تھی۔ ہم نے ڈوگرہ شاہی اور ہندوؤں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ مسلمانوں کو متوجہ کیا تھی کہ کشمیر تمہارا ہے، اسے بچالو اور اس کے مستقبل کو محفوظ کرلو۔ مگر اس وقت کے رئیس مسلمانوں نے، جن کا دخل فرنگی ایوانوں میں تھا ہماری بات نہ سنی۔ لیکن مجلس احرار اسلام کی اپیل پر آزادیٔ کشمیر کیلئے چلائی جانے والی پہلی عوامی تحریک میں پچاس ہزار مسلمان قید ہوئے اور بائیس نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا۔ تب ہماری بات مان لی ہوتی تو آج کشمیر کا نقشہ یوں نہ ہوتا۔

رئیسوں کو تو پہلے بھی کچھ نہیں ہوا اور اب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا مگر جذبۂ جہاد سے سرشار مسلمان روز اوّل سے اب تک قربانی دیتے آئے ہیں۔ انہیں کی جانیں اس جنت نظیر کی آزادی کی جنگ میں کام آئی ہیں۔

عزیزو! خدا جانے آپ کس کشمیر کو لینے کے ارادے کر رہے ہیں یا کس کے متعلق سوچ رہے ہیں؟ اب آپ بھی سن لیں اور چودھری صاحب بھی! (کشمیری رہنما چودھری غلام عباس مرحوم، جو کانفرنس میں شریک تھے اور اسٹیج پر موجود تھے) اصل کشمیر تو تقسیم کے عمل میں آپ اپنے ہاتھ سے دے چکے۔ اگر فائر بندی کی بات نہ ہوتی تو ممکن ہے کوئی بات بن جاتی۔ فرنگی اور ہندو کسی صورت میں بھی آپ کو کشمیر نہیں دینا چاہیے۔ ہاں! اگر کبھی انہوں نے ضرورت محسوس کی تو شاید وہ اس مستقل فساد کو ختم کردیں اور ممکن ہے اس کا کچھ حصہ بھی آپ کے پاس آجائے۔

(اقتباس خطاب)

''دفاع پاکستان احرار کانفرنس''

احرار پارک، دہلی دروازہ۔ لاہور (۱۴ر جنوری ۱۹۴۹ء)

پاکستان میں اسلام؟

راجہ غضنفر علی (مسلم لیگی رہنما) اگرچہ سیاسی لیڈر اور بہ ظاہر وسیع المشرب ہیں۔ انہوں نے گزشتہ برس راولپنڈی میں کہا:

''وہ زمانہ لد گیا جب بخاری قرآن سنا سنا کر لوگوں کو اُلو بنایا کرتا تھا۔ اب پاکستان بن گیا ہے۔ اب یہاں ان باتوں کی گنجائش نہیں''

میں نے جواباً کہا: ''پاکستان میں حکمرانوں کے ہاتھوں کے ہاتھوں دین کا جو انجام ہوگا اس کے قرائن تمہارے سامنے ہیں۔ جہاں تک ان کا بس چلے گا پاکستان میں اسلام اور قرآن کو ناقابل عمل بنا کر دم لیں گے۔ میں نے تو پہلے بھی کہا تھا کہ ہندوستان میں مسلمان نہیں رہنے دیا جائے گا اور پاکستان میں اسلام نہیں رہنے دیا جائے گا۔ پاکستان میں دین کا بس اللہ ہی حافظ ہے۔ یہاں فرنگی کے جانشین فرنگی سے زیادہ دشمن ہیں۔ شاید کچھ مدت بعد اس ملک میں دین اسلام کا لفظ بھی لوگوں کی سمجھ میں نہ آسکے۔ آثار اچھے نہیں ہیں''

احرار کارکنوں کے نام (ملتان، مارچ ۱۹۴۹ء)

پروفیسر ابوالاعجاز حفیظ صدیقی

''حجاز'' ------ قبول حق کیلئے بہترین خطّہ

(ایام جاہلیت کا عرب معاشرہ)

اشیاء اپنے اضداد سے پہچانی جاتی ہیں۔ دن کا تصور کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ مؤرخ، ادیب اور خطیب کوشش کرتے ہیں کہ ظہورِ اسلام کے نور کو اجاگر کرنے کیلئے دور جاہلیت کی تصویر تاریک تر بنا کر دکھائی جائے۔ ایام جاہلیت کے عرب معاشرے کو برائیوں میں اس طرح گھرا ہوا دکھایا جائے کہ اس سے زیادہ تصور ہی نہ کیا جا سکے۔ اس طرح ظہور اسلام کے معجزانہ تصور کو تقویت ملتی ہے مگر اس طرزِ فکر سے بعض حقائق دب جاتے ہیں جاہلیت کا معاشرہ یقیناً ایک غیر صالح اور بگڑا ہوا معاشرہ تھا مگر اتنا بگڑا ہوا بھی نہیں کہ اس میں قبول حق کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ تمامتر جاہلیت کے باوجود بعثتِ ختم الرسل اور نزول قرآن مجید کے لئے کرۂ ارض پر بہترین اور مناسب ترین مقام خطہ حجاز ہی تھا اور حجازی معاشرہ اپنی تمامتر جاہلیت کے باوجود قبول حق کے لئے موزوں ترین معاشرہ تھا۔

لفظ ''اللہ'' خداوند کریم کا ذاتی نام ہے: اسم ذات، اسم معرفہ، عرب میں اللہ کا نام موجود تھا جبکہ ہندوستان، چین جاپان، وسطی افریقہ، جنوبی افریقہ، یونان اور پورے یورپ میں لوگ اللہ کے نام سے واقف نہ تھے بلکہ قیاس تو یہ رخ اختیار کرتا ہے کہ لفظ اللہ عرب کے علاوہ صرف ان سرحدی علاقوں میں موجود تھا جن سے عربوں کے تجارتی تعلقات تھے اہورامزدا تھا یزدان تھا، زردان تھا، زیس تھا جیوپیٹر تھا۔ پرماتما تھا، ایشور تھا، پربھو تھا (غالباً خداوند اور خدایگاں بھی تھا) اللہ نہیں تھا، جبکہ ادھر عرب میں عبداللہ عام نام تھا۔ عبداللہ نام کے بہت سے لوگ موجود تھے۔ خود حضور اکرم ﷺ کے والدِ گرامی کا نام عبداللہ تھا۔ عبیداللہ بھی متعارف نام تھا۔

مشرکین عرب کے نزدیک خدائے بزرگ و برتر اللہ ہی تھا۔ وہ اللہ کو زمین و آسمان اور شمس و قمر کا خالق، مالک اور ناظم مانتے تھے البتہ اس کے شریک بنا رکھے تھے یعنی وہ بتوں کو پوجتے تھے اور ان بتوں کو اللہ کے ہاں تقرب کا ذریعہ سمجھتے تھے جو شرک ہے۔ بہرحال اللہ کا تعارف کرانے کی ضرورت نہ تھی۔ توحید کی غرض سے عربوں کو صرف یہ سمجھانا تھا کہ اللہ ہی واحد الٰہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

عربوں کے ہاں اہم دستاویزات اور معاہدات اللہ کے نام سے شروع کئے جاتے تھے الفاظ تھے ''باسمک اللّٰھم'' معاہدۂ مقاطعہ بنی ہاشم انہی الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ معاہدہ صلح حدیبیا انہی الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور غالباً

معاہدہ حلف الفضول بھی انہی الفاظ سے شروع ہوا ہوگا کیونکہ یہ دستاویزات لکھنے کا عام طریق تھا۔

چالیس سال کی عمر میں حضور ﷺ نے اعلان رسالت فرمایا۔ تیرہ سالہ مکی زندگی اور دس سالہ مدنی زندگی۔ کل تیئیس سال کی مدت میں کارِ رسالت مکمل ہوگیا اور حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں تکمیل دین کی بشارت آ گئی۔ غور فرمایئے کہ اگر اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہے حضورؐ کو نبی آخر الزماں کی حیثیت سے گورکھ پور (ہندوستان) میں پیدا کرتا یا بیجنگ (چین) میں مبعوث فرماتا یا عہد عروج کا ایتھنز آپ کی بعثت کے لئے منتخب کیا جاتا تو کیا کارِ رسالت تیئیس سال میں مکمل ہو جاتا قرآن مجید سنسکرت، چینی یا یونانی زبان میں نازل کیا جاتا تو کیا اس کی پذیرائی کی رفتار یہی ہوتی؟ ان ملکوں میں تو لوگ پوچھتے: یہ اللہ کون ہے؟ اس نام کا کوئی خدا ہم نے تو سُنا نہیں۔ زُس Zeus سے برتر بھی کوئی ہے یا یہ زُس ہی کا دوسرا نام ہے۔ بارہ بڑے اولمپین خداؤں میں تو اس کا نام کہیں نہیں آتا۔ ہومر کے ہاں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں۔ کرونس تو اپنے بیٹوں کو پیدا ہوتے ہی کھا جاتا تھا ای اس کی بیوی ریا Rhrs صرف چار بچوں کو بچا سکی تھی جن میں زُس بھی شامل تھا۔ اس نے باپ کو معزول کر کے اولمپس سے نکال دیا اس کے بعد سے وہی اب رب الارباب ہے تو کہیں یہ زُس ہی کا دوسرا نام تو نہیں، رومنوں نے ہمارے دیوتاؤں کے نئے نام رکھ لئے تھے۔ ہوسکتا ہے کسی دوسری قوم نے زُس کو اللہ بنا دیا ہو۔ لیکن اس کے ماں باپ کا تو علم ہونا چاہیے۔ سنا ہے اس کی کوئی بیوی بھی نہیں تھی ''لم یلد ولم یولد'' یہ کیسا خدا ہے جو اعزہ واقارب سے بھی محروم ہے، جس کا مولد ومنشا بھی معلوم نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ رہتا کہاں ہے، اسے ہم کہاں ڈھونڈیں اور اس پر چڑھاوے کہاں چڑھائیں؟ عیسائی علماء مبلغین مثلاً سینٹ پال کو اس صورت حال سے پالا پڑا ہوگا لیکن اس وقت تک عیسائیت اپنے جوہر توحید سے عاری ہو کر خود دیومالائی شکل اختیار کر چکی تھی۔

ہندوستانی بت پرست کہتے اللہ نام کا کوئی خدا ویدوں میں تو موجود نہیں۔ مہابھارت اور رامائن میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں۔ کیا وہ کبھی اوتار کی شکل میں زمین پر اُترا ہے۔ وہ کس کا اوتار ہے؟ وشنو کا؟ اس کی شکتی (استری) کون ہے اور وہ کن امور کی نگران ہے وہ کن کن حیثیتوں سے پوجی جاتی ہے اس کی سواری کا جانور کونسا ہے۔ کیا اللہ نے مہابھارت میں شرکت کی تھی؟ شاید یہ کوئی ایرانی دیوتا ہو لنکا والوں نے کچھ نئے خدا بنائے تھے لیکن اللہ ان میں بھی شامل نہیں۔ تری مورتی تین خداؤں پر مشتمل ہے: برہما، وشنو اور شیو، ہاں ان سے اوپر پرماتما (ایشور) مانا جاسکتا ہے مگر وہ تب نرگن ہے جبکہ اللہ کے صفات بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ رحیم ہے رحمٰن ہے، علیم وخبیر ہے، خالق ومالک اور جبار وقہار ہے حالانکہ یہ صفات تری مورتی والوں اور ان کی شکتیوں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ خاصی الجھن ہے، ویدوں میں تینتیس ۳۳ دیوتا تھے جن کے نام یاد رکھے جاسکتے تھے پھر تینتیس ۳۳ کروڑ ہو گئے، اتنے نام کسی پنڈت تو کیا کسی مہارش کو بھی یاد نہیں ہوں گے کہ ہمارا دھرم بہت وسیع اور وسعت پذیر ہے۔ یہ اللہ ہی ان ۳۳ کروڑ میں سے کوئی، کون سب کے نام یاد کرتا پھرے۔

یونان ،روم ،بابل ، ہند اور سکنڈے نیو یا کے برعکس عربوں کے ہاں اپنی کوئی وسیع اور مربوط مائیتھالوجی (دیو مالا) موجود نہ تھی ۔مکہ، طائف اور مدینہ کے لوگ بت پرست تھے مگر ان کے بت کسی دیو مالائی زنجیر میں پروئے ہوئے نہیں تھے ۔کوئی مربوط دیو مالائی نظام موجود نہ تھا۔ دیو مالا کو تقویت دینے والے مفکر، ادبا اور شعرا موجود نہ تھے جبکہ یونان ہند اور بابل میں دیو مالا کا ایک مربوط بلکہ ہمہ گیر نظام موجود تھا، ہومر جیسے عظیم فنکاروں نے اپنے حماسوں Epies کے ذریعے اسے تقویت دی ۔اسکائی لس، یوری پیڈیز اور سوفوکلیز نے زندگی کو دیو مالا گیر داور دیو مالا کو زندگی کے گرد اس طرح لپیٹ دیا کہ سیکولر فلسفی بھی اس میں الجھ الجھ جاتے تھے (ہندوستان میں بالمیک دیاس جی اور کالیداس نے بھی یہی کچھ کیا) سقراط کی دوستی مسلم ۔اس کی معقولیت میں بھی کلام نہیں مگر بت پرستی کی گنجائش سقراط کے ہاں بھی موجود تھی ۔سقراط پر مقدمہ چلا تو ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ یونانی دیوتاؤں کو نہیں مانتا۔سقراط نے جواب دیا تھا کہ میں خدایان کہن کا دشمن نہیں لیکن بدکردار اور بدکیش خداؤں سے میری نہیں بنتی ۔اور اس نے اپنی وصیت میں شاگردوں سے درخواست کی تھی کہ میری طرف سے شفا کے دیوتا کو ایک مرغ چڑھا دینا۔

ہندو دیو مالا اور یونانی دیو مالا (بابلی اور سکنڈے نیوین بھی) اپنی اپنی جگہ مربوط اور پیچیدہ نظام ہیں وہ نظام فکر عوام الناس کے لئے اجنبی نہیں بلکہ مانوس زاویہ ہائے حیات تھے ۔ان میں تھوڑا بہت اضافہ تو کیا جا سکتا تھا مگر پہلے سے موجود دیوتاؤں کو یک لخت اکھاڑ کر پھینک دینا اتنا آسان نہ تھا رومنوں نے یونان کو فتح کر لیا مگر یونانی دیو مالا اس قدر مضبوط تھی کہ رومن حاکم ہونے کے باوجود ان دیوی دیوتاؤں کے محض نام بدل سکے ۔حاکم ہونے کے باجود یونانی دیو مالا کے غلام بن گئے ۔

ہندوستان میں بدھ مت آیا جو ہندو مت کے خلاف ایک احتجاج تھا لیکن ہندی تہذیب کی جڑیں اتنی گہری تھیں کہ بدھ مت حکمرانوں کا مذہب بننے کے بوجود ہندوستان میں شکست کھا گیا اور ہندومت کے اندر ہی جذب ہو گیا، ویسے بھی بدھ مت کوئی اتنا بڑا انقلاب لے کر نہیں آیا تھا کہ ہندو مت کے ساتھ اس کا گھمسان کا رن پڑتا۔ اگر اسلام کا آغاز ہندوستان سے ہوتا اور ہندو مت سے براہِ راست اسلام کی ٹکر ہوتی ۔ان کے ویدوں کے مقابلے میں قرآن مجید (بزبان سنسکرت ہی سہی) اتارا جاتا تو گھمسان کا رن پڑتا۔مشیت ایزدی اس پر قادر تھی کہ اس صورت میں بھی دین حق کا بول بالا ہو لیکن یہ دنیا، دنیائے اسباب ہے، دنیائے معجزات نہیں اور مشیت ایزدی کو یہ منظور نہ تھا کہ اسلام کو محض معجزانہ حوادث کے نتیجے میں دین غالب بنا دیا جاتا اور جہاں تک دنیائے اسباب کا تعلق ہے تو یہاں کی تہذیب ، یہاں کے تمدن، یہاں کے عقائد والہام، یہاں کے فلسفے ، یہاں کی دیو مالا ، یہاں کے رسوم عبادت ، یہاں کے ذات پات کے نظام، غرضیکہ ہر شعبہ حیات میں اسلام کا ہندومت سے تصادم ہوتا اور ہندو برہمن جو آج تک مذہبی اعتبار سے مقتدر طبقہ ہے اسلام کو آسانی سے

قبول نہ کرتا، ایک ہزار سال میں مسلمان حکمرانوں نے ''ستی'' کی رسم ختم کرنے کی نیم دلانہ سی کوششیں کیں جو کامیاب نہ ہوئیں۔ انگریز نے سخت قوانین نافذ کئے۔ پورے طور پر اب بھی ختم نہیں ہوئی۔ اکا دکا واقعہ سننے میں آتا رہتا ہے۔

بیوہ کے عقد ثانی پر اسلام نے زور دیا آج ساری دنیا اسے مان چکی ہے مگر ہندو پنڈت آج بھی دل سے اس کے خلاف ہیں۔ ناچ گانا ہندوستان میں عبادت کا جزو تھا، آج بھی ہے کیا ۲۳ سال میں ہندوستان ایک مسلم ریاست بن سکتا تھا؟ کیا ۲۳ سال میں ہند، یونان یا چین ایک مسلم معاشرے میں تبدیل ہوسکتا تھا؟ اتنی بڑی انقلابی تبدیلی کا آغاز حجاز ہی سے ہوسکتا تھا۔ اسلام مذاہب ابراہیمی کے سلسلے کا دین ہے، جس کے لئے اہل عرب میں قبولیت کی زیادہ گنجائش تھی۔ تحریف ضرور ہوئی مگر تورات اور انجیل موجود تھیں اور بعض اہل علم کو یہ بھی معلوم تھا کہ کہاں کہاں تحریف ہوئی ہے حبشہ میں جب مشرکین مکہ نے مہاجر مسلمانوں کو حبشہ سے نکلوانے کی کوشش کی اور ان پر الزام لگایا کہ وہ حضرت مسیحؑ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں اور آپ ہیں کہ ان دشمنانِ مسیح کو اپنے ہاں پناہ دئے ہوئے ہیں۔ اس طرح نجاشی کے مذہبی جذبات کو برانگیختہ کر کے اسے مسلمانوں سے بدگمان کرنے کی کوشش کی گئی، یہ ایک نازک مرحلہ تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد بعینہٖ وہ نہیں جو باستداد زماں عیسائیوں میں رواج پا گئے ہیں لیکن مسلمانوں نے فیصلہ یہی کیا کہ حق بات ہی کہی جائے گی، خواہ وہ عیسائیوں کے مروجہ عقائد سے متصادم ہو۔ چنانچہ دربار میں بلائے جانے پر حضرت جعفر طیارؓ نے سورۃ مریم کی تلاوت کی کہ یہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں دین اسلام کے عقائد حق شناس نجاشی کو معلوم تھا کہ ابن اللہ کا نظریہ اور مسیح کے معبود ہونے کا عقیدہ مسیحیت کا اصل عقیدہ نہیں۔ چنانچہ نجاشی نے مشرکین مکہ کی شکایت کو درخور اعتنا نہ جانا بلکہ خود قرآن مجید سے متاثر ہوگیا۔

یہودی اور عیسائی عرب، شام، فلسطین، اردن اور مصر میں بستے تھے، اسلام ان کے انبیاء اور کتب کی تصدیق کرتا تھا ان کے عقائد، انبیاء اور کتب کے حوالے سے بات کی جاسکتی تھی اور کی گئی۔ حضرت نوحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ کی شخصیات ان کے علاقوں کے لوگوں کے لئے اجنبی نہیں تھیں۔ جزئیات وتفصیلات میں کہیں کہیں اختلاف تھا۔ تاہم بات کرنے کیلئے ٹھوس تاریخی، علمی اور دینی بنیادیں موجود تھیں جبکہ ہند، لنکا، چین، جاپان اور دنیا کے بہت سے دوسرے علاقوں میں یہ نام ہی مانوس نہ تھے۔

علمائے عمرانیات و بشریات کا کہنا ہے کہ ساری اقوام ایک خدا کے تصور کو بآسانی قبول کر لیتی ہیں جبکہ آریا اور دراوڑ ذہن اسے قبول کرنے میں متامل ہوتا ہے۔ اس میں جغرافیائی عوامل کو بھی خاصا دخل ہے۔ مرزا غالب کو آریائی ذہن کی اس کوتاہی کا احساس تھا۔ چنانچہ کہتے ہیں:

رموزِ دیں نشناسم، درست، معذورم　　نہادِ من عجمی وطریق من عربی ست

سامی ادیان نے عرب دنیا میں جنم لیا، توحید خالص یہودیت، نصرانیت اور اسلام کے سائے میں پرورش پاتی رہی۔ نصرانیت میں تثلیث کا عقیدہ بعد میں داخل ہوا۔

اب لیجیے! تصورِ رسالت کا مسئلہ۔ تو یہ تصور بھی سامی ادیان ہی کے ساتھ مخصوص تھا۔ نبی یا رسول کا تصور ہندو مت کے لئے ہمیشہ سے اجنبی تھا۔ وہ رسول اور اوتار کے فرق کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ یہ بات تو انہیں صدیوں سے سمجھائی جارہی تھی کہ جب دنیا زیادہ گمراہ ہوجاتی ہے تو کوئی بڑا خدا (دیوتا) انسان کی شکل میں دنیا میں جنم لیتا ہے۔ اپنی زندگی انسانوں کے درمیان گزارتا ہے اور دنیا کو راہ راست پر لاکر پھر خداؤں کی دنیا میں چلا جاتا ہے لیکن یہ تصور کہ اللہ جو خدائے واحد ہے، اپنے کسی بندے کو اپنا رسول بنالیتا ہے اور وہ رسول جو انسانوں میں سے ہوتا ہے۔ بشیر، نذیر اور داعی الی اللہ بن کر لوگوں کو راہِ راست کی طرف بلاتا ہے، وہ انسان ہی ہوتا ہے انسان ہی رہتا ہے۔ البتہ اسے عام لوگوں سے جو بات ممیز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ وہ خدا سے احکام و اخبار حاصل کرتا ہے، وہ خدا نہیں ہوتا، وحی الٰہی آنے کے بعد بھی وہ خدا (الٰہ) نہیں بن جاتا۔ وہ اللہ کے رسول کے طور پر، اس کے حکم کے مطابق نیکی کا درس دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو الٰہ واحد ہے جب چاہے، اسے موت سے ہمکنار کردیتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں تو اوتار خود خدا ہوتا ہے جو ہندوؤں کی بھلائی کیلئے وقتی طور پر اور مصلحتاً آدمی بن جاتا ہے۔ رام کرشن مہاراج وشنو کے اوتار تھے۔ ہندوؤں کے اس عقیدۂ اوتار نے نہ جانے کن کن راہوں سے گزر کر عیسا دیت پر بھی یلغار کی اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رسول کی بجائے (یا، رسول ہونے کے علاوہ) اوتار کا درجہ دے دیا۔ (یہ بھی ممکن ہے کہ مسیح کے معبود ہونے کا عقیدہ مسیحی علماء کی اپنی کج فکری ہی کا نتیجہ ہو) تاہم یہودی، عیسائی اور مشرکین عرب نبی یا، رسول کا تصور رکھتے تھے۔ خانہ کعبہ میں ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی (فرضی) تصویر بھی دیوار پر نقش تھی، عرب کے یہودیوں کو کبھی یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی کہ نبی کیا ہوتا ہے؟ وہ نبی اور نبوت کے تصورات سے آگاہ تھے۔ عیسائی کلیسا نے تعلیمات مسیحی کو مسخ کردیا، حضرت عیسیٰ کی حیثیت کو بدلنا چاہا، بدل بھی دیا مگر اہل علم مسیح جانتے تھے کہ رسول، اللہ نہیں ہوتا، ابن اللہ بھی نہیں ہوتا، اللہ کا شریک بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ حبشہ میں (جیسا کہ مذکورہ) مسلمانوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے قرآنی عقائد کا بیان کیا تو نجاشی کو حقیقت رسالت سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔ بھولا ہوا سبق یاد آ گیا اور اس نے اسلام قبول کر کے حق کا اعتراف کیا۔

عرب بت پرست تھے، دیوی، دیوتاؤں کو پوجتے تھے مگر ایک تو ان دیوی، دیوتاؤں کی تعداد ہی بہت کم تھی (معروف دیوی دیوتا درجن بھر تھے) پھر ان میں ان رابطوں، قرابتوں اور رشتوں کا فقدان تھا جن سے کوئی دیومالا جنم لیتی ہے اور بمرورِ زماں مذہب کا درجہ حاصل کرلیتی ہے۔

عرب میں بت پرستی ضرور تھی اور بہت تھی لیکن یہ کوئی معاشرتی جبر بھی نہیں تھا کہ ہر شخص لازماً کسی ایک یا چند بتوں کا پجاری ہو۔ ایام جاہلیت میں حضور ﷺ کے علاوہ بھی ایسے لوگ موجود تھے جو بتوں کی پوجا نہیں کرتے تھے اور وہ لوگ اپنے مکارم الاخلاق یا قبیلے میں اپنے مقام کی وجہ سے معزز سمجھے جاتے تھے۔ بت پرست ہونا نہ لازمی تھا نہ لازمۂ عزت، حضور ﷺ نے کبھی بتوں کی پرستش نہیں کی اور کبھی کسی نے دھونس جمانے کی کوشش نہیں کی کہ حضور ﷺ! آپ (ﷺ) بتوں کی پوجا کیوں نہیں کرتے؟ (خیال رہے کہ مکہ میں پکے ملحد بھی موجود تھے) مشرکین مکہ وفد کی شکل میں شکایت لے کر آئے تو ابو طالب سے یہ نہیں کہا کہ اپنے بھتیجے سے کہو کہ ہماری طرح بتوں کی پرستش کرے۔ بس یہ کہا کہ ہمارے خداؤں (بتوں) کو برا کہنا چھوڑ دے لیکن یہ حضور ﷺ کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ مقاصد رسالت کی تو پہلی مشق ہی یہی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ حضور ﷺ نے توحید کا اعلان کیا "لا الہ الا اللہ" اور اس کی وضاحت میں بتایا کہ لات ہو یا منات، عزیٰ ہو یا ہُبل، اساف ہو یا نائلہ۔ یہ تمہارے نفع وضرر پر قادر نہیں۔ ان کی پرستش شرک ہے الہ صرف اللہ ہے۔ سارے اختیارات اسی کے پاس ہیں اور وہ شرک کو معاف نہیں کرتا۔ تم بت پرستی کر کے جہنم کی طرف جا رہے ہو۔ یہ بت، یہ فرشتے، یہ ستارے اللہ کے ہاں تمہاری سفارش نہیں کر سکتے، تب مشرکین کو حرارہ آیا کہ ہائیں! یہ صادو امین، مقبول اور شریف انسان کیسی اشتعال انگیز باتیں کرتا ہے۔ (نعوذ باللہ) عربوں نے بت پرستی کی حد کر دی مگر کسی مربوط دیومالا کو جنم نہ دے سکے۔ جس عرب کا جی چاہتا، وہ کہیں بھی، ایک پتھر گاڑ دیتا، اسے معبود قرار دیتا اور اس کا طواف کرتا۔ ان پتھروں کو جو خانہ کعبہ کے گرد گڑے ہوئے تھے، "انصاب" کہا جاتا تھا۔

بخاری میں ابو رجا العطاردی سے روایت ہے کہ ہم لوگ پتھر کو پوجتے تھے اگر کوئی اس سے اچھا پتھر مل جاتا تو پہلا پھینک کر یہ نیا لے لیتے۔ اگر پتھر نہ مل سکا تو مٹی کا ایک ڈھیر بناتے، اس پر بکری کو لا کر دوہتے پھر اس کا طواف کرتے۔ یثرب میں لکڑی کے بت بھی عام تھے جو گھروں میں رکھے جاتے تھے۔ ان کی کوئی معین شکل بھی نہیں ہوتی تھی۔ البتہ ان سب کا مشترک نام "منات" تھا۔

بت پرست معاشرے مجسمہ تراشی کے فن کے لئے نہایت موزوں فضا مہیا کرتے ہیں۔ مجسمہ سازی اور بت تراش لوگ معزز سمجھے جاتے ہیں۔ یونان، مصر اور ہند میں بت تراشی کا فن بہت ترقی کر گیا۔ یہاں بت تراشی کیلئے سازگار فضا موجود تھی۔ لنکا، ہند اور افغانستان میں پہاڑوں پر کندہ کئے ہوئے اور چٹانوں کو تراش کر بنائے ہوئے جو لاتعداد بت موجود ہیں اس سازگار فضا کا نتیجہ ہیں جو ہندو مت اور بدھ مت کے عہد عروج میں ان علاقوں میں موجود تھی۔ بت ساز ہاتھ سے بت تراش لیتے اور چٹانوں کو چھینی والی چھینیاں بھی مقدس تھیں۔ یہ سب کام بغرض عبادت کیا گیا تھا۔ اسکندریہ کی چٹانوں، ایلورا اجنتا کے غاروں اور ہندو لنکا کے مندروں میں جو مذہبی مصوری نظر آتی ہے۔ اس کے پیچھے مذہبی جوش و

خروش بھی نظر آتا ہے۔عرب کا مذہبی مصوری، بت تراشی وار بت سازی کے فن میں کوئی مقام نہیں۔کیونکہ عرب بت پرست ضرور تھے لیکن بتوں کی اس مربوط دیومالا سے محروم تھے، جس سے فنکار اکتساب فیض کر سکتے۔اس لئے عربوں کو توحید کے تصور سے آشنا کرنا اور بت پرستی سے متنفر کرنا نسبتاً آسان تھا۔

بت پرستی کے ساتھ بالعموم اور دیومالائی مذاہب کے ساتھ بالخصوص دیوداسیوں کا تصور بھی شامل ہے۔دیوداسیوں کا وجود بابلی تہذیب (اکادی وسمیری) اور قدیم ہندو تہذیب کا جزو رہا ہے، گل گامش کی داستان سومیزی (بابلی) روایت کی قدیم دستاویز ہے۔دیوداسی یہاں بھی بے حیائی کے ساتھ موجود ہے۔اناطولفرانس کی ''تائیس'' میں مصر و لیبیا کی نصرانی راہبات کا ایک جامع نظام دکھایا گیا ہے اور اس غیر فطری نظام سے جو مکروہات پیدا ہوتے ہیں، ان کا تذکرہ بھی موجود ہے۔بعض یورپی مفکرین نے تو بے جا تعمیم سے کام لے کر یہاں تک کہ عصمت فروشی کا پیشہ معبدوں ہی سے شروع ہوا۔عرب بت پرست تھے، عورت کی عزت نہیں کرتے تھے لیکن لات اور عزیٰ کے معبدوں کو انہوں نے عصمت فروشی کے مراکز نہیں بننے دیا۔

قریش جوا کھیلتے تھے۔جُوا آج بھی کھیلا جاتا ہے۔میلوں ٹھیلوں میں سرکس کے ساتھ جوئے کا دھندا بھی رہتا ہے، کرکٹ کے مقابلوں میں اور گھوڑ دوڑ میں جُوا ہوتا ہے۔متمدن دنیا کے بڑے بڑے ہوٹلوں میں شرفاء جُوا کھیلتے ہیں۔جُوا ایک برائی ہے جس کی کسی صورت حمایت نہیں کی جاسکتی لیکن قریش کے ہاں جوئے کی ایک بڑی وہ قسم تھی جو فیاضی کے اظہار کیلئے تھی، یہ اونٹ کے گوشت پر کھیلا جاتا تھا، یہ گوشت، جیتنے والا قمار باز گھر نہیں لے جاتا تھا، بلکہ غریبوں میں بٹ جاتا تھا، جب شہر میں کہیں اس قسم کا جُوا ہوتا تھا، غریبوں کی عید ہو جاتی تھی۔لیکن یہ بھی آخر جُوا تھا۔جوئے کی دوسری قسموں کے ساتھ یہ بھی حرام قرار پایا۔تجارت کی بعض صورتوں میں بھی جوئے کا شمول، احتمال یا اشتباہ ہوتا تھا۔اسلام نے جوئے کو اس طرح حرام قرار دیا کہ تمام تجارتی معاملات انصاف کے دائرے میں آگئے اور قمار بازی وجہ مفاخرت بھی نہ رہی۔

اعلانِ رسالت کے بعد مکہ کے لوگ حضور ﷺ کے دشمن ہو گئے۔اشرارِ مکہ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے دیتے تھے لیکن ابوجہل، ابولہب، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط جیسے دشمنوں کے اس شہر میں بھلے لوگ بھی تھے جو موقع ملنے پر حضور ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی اعلانیہ اور خفیہ مدد کرتے تھے۔حضرت عثمان بن مظعون ہجرت کر گئے۔حبشہ میں مقیم تھے، ایک غلط خبر پر واپس آئے تو ولید بن مغیرہ کی حمایت حاصل کی۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ابن الدغنہ قارہ نے امان دی اور قریش نے اس امان کو تسلیم کیا۔حضور ﷺ سفرِ طائف سے زخمی اور نڈھال ہو کر واپس آئے تو مطعم کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے۔مطعم نے اپنے دس بیٹوں کو مسلح کر کے بھیجا کہ جاؤ، خانہ کعبہ کے پاس جا کر اعلان کرو ''محمد (ﷺ) میری امان میں ہیں'' حضور ﷺ اپنے پچاس ساتھیوں کے ساتھ شعب ابی طالب

میں محصور رہے۔ یہ معاشرتی بائیکاٹ تھا مگر نیک دل لوگ شعب ابی طالب میں بھی کسی نہ کسی طرح آپ کی مدد کرتے رہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اس ظالمانہ معاشرتی مقاطعہ کے خلاف آواز اٹھائی، وہ غیر مسلم ہی تھے مگر بھلے لوگ تھے۔

سعید بن زیدؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ان کے والد زید (بعثتِ نبوی کے پہلے بھی) حنیف تھے، دین ابراہیمی کے پیرو تھے، بتوں پر چڑھایا ہوا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے۔ کفر و شرک سے متنفر تھے۔ حضور ﷺ کے اعلانِ رسالت سے پہلے وفات پا گئے۔ ابوالعاص بن ربیع (اسلام کی خاتون اوّل حضرت خدیجہؓ کے بھانجے، خدیجہؓ کی بہن ہالہ کے بیٹے) داماد رسول یعنی بنت رسول حضرت زینبؓ کے شوہر تھے، تجارت کرتے تھے، دیانتداری مسلم تھی، لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے اور وہ لوگوں کا مال لے کر تجارت کیلئے دوسرے ملکوں کا سفر کرتے تھے۔ انہوں نے اسلام دیر میں قبول کیا مگر تاجرانہ دیانت اور غریب پروری کے باعث ہمیشہ معزز و محترم سمجھے جاتے تھے رہے۔ ایام جاہلیت کے معاشرے میں بھی تاجرانہ دیانت بڑی حد تک موجود تھی، بددیانت تاجر ہر جگہ ناقابل اعتبار ہوتے ہیں۔ اہل مکہ میں کوئی شخص بددیانت تاجر کہلوانا پسند نہیں کرتا تھا۔ بددیانت تاجر کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ حلف الفضول ایسی ہی ایک بددیانتی کے خلاف دیانتدار لوگوں کا اتحاد تھا۔

وہ لوگ بھی بھلے لوگ ہی تھے جنہوں نے اکیلی خواتین کو ہجرت کرنے میں مدد دی، حالانکہ وہ خود اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوئے تھے۔ (تفصیل آگے آئے گی)

ایام جاہلیت کی تصویر کو تاریک تر بنانے کیلئے اس بات پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ عرب اپنی بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ دخترکشی کی یہ مذموم رسم بنو تمیم میں تھی۔ دیگر قبائل میں بھی اس قسم کا کوئی اکا دکا واقعہ پیش آتا ہوگا، تاہم اکثر قبائل اس قبیح رسم سے متنفر تھے اور اس ظالمانہ رسم کے خلاف صلحا کا ایک محاذ بھی قائم کیا تھا۔ شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ اور زید بن عمر بن نفیل اس تحریک کے سرگرم کارکن تھے۔ کسی عورت سے اس کا بچہ چھین کر ہلاک کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ حضورؐ نے تو قریش کی عورتوں کی تعریف کی وہ بچوں پر بچپنے میں بہت مہربان ہوتی ہیں اور خاوند کے مال کا بہت خیال رکھتی ہیں۔ دخترکشی کی رسم برصغیر میں بھی موجود تھی اور معاشرتی اور معاشی عوامل کے تحت اکا دکا واقعات آج بھی سننے پڑھنے میں آتے رہتے ہیں۔ ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش کے سرکاری ذرائع ابلاغ آج اکیسویں صدی میں بھی اپیلیں کر رہے ہیں کہ لڑکیوں کو بوجھ نہ سمجھو۔ یہ بات آپ کو پہلی نظر میں عجیب معلوم ہوگی کہ برصغیر کے لوک گیتوں میں جو لوریاں شامل ہیں وہ سب کی سب لڑکوں کے لئے بنی ہیں، لڑکیوں کیلئے لوریاں موجود نہیں لیکن اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں۔ جس معاشرے میں لڑکی کی ولادت پر والدین کو مبارکباد کہنا بھی بدتمیزی سمجھا جاتا ہو اور لڑکیاں جننے والی عورت کو منحوس جانا جاتا ہو وہاں بچیوں کے لئے لوریاں کون بنائے اور کون گائے؟ اردو اور پنجابی میں لڑکیوں کے لئے اوّلین لوریاں پر چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ عرب میں دخترکشی موجود تھی لیکن اتنی بھی نہیں بلکہ ایام جاہلیت کے بعض عرب تو بچیوں کے نام پر اپنی کنیت

اختیار کر لیتے تھے۔

آج جسم فروشی کا کاروبار دنیا میں متعدد شکلیں اختیار کر چکا ہے اور اسے بڑے دلکش اور مہذب نام دیئے گئے ہیں۔ جسم فروش ایام جاہلیت کے معاشرے میں بھی موجود تھی مکہ میں جسم فروش عورتیں موجود تھیں جو جھنڈی والیاں کہلاتی تھیں، عناق، مکہ کی ایک جسم فروش عورت کا نام ریکارڈ پر موجود ہے۔ مدینہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنی لونڈیوں سے بدکاری کراتا تھا۔ اسلام نے ان برائیوں کا سدِ باب کیا لیکن جاہلیت کے اس بدترین معاشرے میں بھی جسم بیچنے والیاں باعزت نہیں سمجھی جاتی تھیں، ان سے آٹوگراف نہیں لئے جاتے تھے وہ آرٹسٹ یا سنار نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ شرفا کی بہو بیٹیوں کا ان سے ملنا ممنوع تھا۔ ناچنے گانے سے شرفا پہلے ہی مجتنب تھے یہ کام لونڈیاں باندیاں کرتی تھیں۔ شرفا کی بچیاں خوشی کے موقع پر دف بجاتی اور فخر و مباہات کے اشعار گاتی تھیں اسلام نے اس سے تعرض نہیں کیا۔

بیوہ کے نکاح ثانی کی روایت دور جاہلیت میں بھی موجود تھی اور ہندو دھرم کے برعکس اسے قطعاً معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسلام نے اس اچھی روایت کو جاری رکھا بلکہ بیوہ کے نکاح کی ترغیب دی حضور ﷺ اور صحابہؓ کے عمل سے اس روایت کو تقدیس ملی جبکہ آج بھی ایسے معاشرے موجود ہیں جہاں بیوہ کے نکاح ثانی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ ازدواج کا بندھن ایک مقدس معاہدہ ہے نبھانا لازم ہے لیکن جب میاں بیوی میں مفاہمت و مصالحت کے راستے مسدود ہو جائیں اور ازدواج کا بندھن روگ بن جائے تو علیحدگی ہی اس کا حل ہے۔ چنانچہ نکاح کے تمامتر تقدس کے باوجود علیحدگی کا حق ایک اخلاقی اور معاشرتی تقاضا بن جاتا ہے۔ وہ مذاہب جن میں مرد یا عورت کو کسی بھی حالت میں ازدواجی بندھن توڑنے کا حق حاصل نہیں، اپنی جگہ کھڑے جھلاتے رہے اور ان کے پیروکاروں نے سیکولر قانون سازی کے ذریعے یہ حق (مذہب کی منشا کے خلاف) حاصل کر لیا۔ جاہلیت کے مجازی معاشرے میں عورتیں مظلوم ضرور تھیں مگر شوہر سے علیحدگی کا حق انہیں حاصل تھا اور وہ اپنے حق کا استعمال بھی کرتی تھی لیکن یہ حق استعمال کرنا آسان نہ تھا۔ بڑے گھرانوں کی دلیر اور مالدار خواتین یہ حق استعمال کر سکتی تھیں عام غریب عورتوں کے لئے یہ حق استعمال کرنا بہت مشکل تھا۔ اسلام نے ضلع طلاق، لعان وغیرہ کے قوانین بنائے تاکہ جبر کی ہر شکل کی نفی ہو جائے۔ علیحدگی اور علیحدگی پر ندامت کی ہر صورت منصفانہ بن جائے امیر اور خاندانی عورتوں کو تو علیحدگی کا حق پہلے ہی حاصل تھا، اسلام نے اسے غریب اور مظلوم عورتوں تک پہنچایا۔

عورتوں کے احترام کے لحاظ سے جاہلیت کا عرب معاشرہ کوئی مثالی معاشرہ تو نہ تھا لیکن اُمِ سلمہؓ اور اُمِ کلثومؓ بنت عقبہ بن ابی معیط کی ہجرت کے واقعات یہ ظاہر کرنے کو کافی ہیں کہ اچھے لوگ بالعموم عورت کا احترام کرتے تھے اور پریشانی میں عورتوں کی مدد کرنا ضروری جانتے تھے۔ اُمِ سلمہؓ کی ہجرت کا واقعہ یوں ہے کہ حضرت ابوسلمہؓ اپنی بیوی اُمِ سلمہؓ اور بچے (سلمہ) کو ساتھ لے کر ہجرت کے لئے مکہ سے نکلے تو سسرالیوں (بنی مغیرہ) نے روک لیا۔ وہ بیوی بچے کو چھوڑ کر

ہجرت کر گئے۔ بچے (سلمہ) کو اُمِ سلمہؓ کے خاندان والے چھین کر لے گئے اُمِ سلمہؓ روز گھر سے نکلتیں اور ابطح میں بیٹھ کر رویا کرتیں چند دن بعد وارثوں کو رحم آ گیا اور شوہر کے پاس جانے کی اجازت مل گئی وہ بچے کو لے کر اونٹ پر بیٹھ گئیں اور مدینہ کی طرف روانہ ہوئیں کوئی مرد ساتھ نہ تھا تنعیم میں عثمان بن طلحہ کلید بردار کی نظر پڑی اس نے اونٹ کی مہار پکڑی اور مختلف منزلوں پر قیام کرتا ہوا قبا تک آیا اور بولا: تمہارے شوہر یہیں مقیم ہیں اب تم ان کے پاس چلی جاؤ اور خود واپس مکہ کا راستہ لیا۔ یاد رہے کہ عثمان بن طلحہ اس وقت تک مشرف بالاسلام نہیں ہوا تھا اور مکہ میں کلید کعبہ طلب کرنے پر اس کی حضور ﷺ سے جھڑپ بھی ہو چکی تھی۔

دشمن اسلام عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی اُمِ کلثومؓ اسلام لے آئیں انہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کی وہ پاپیادہ تھیں۔ خزاعہ حضور ﷺ کے حلیف تھے، چنانچہ خزاعہ کے ایک شخص کو ساتھ لیا اور مدینہ پہنچ گئیں۔ دوسرے دن ان کے بھائی انہیں واپس لینے کیلئے مدینہ پہنچ گئے اور معاہدہ حدیبیہ کی رو سے ان کی واپسی پر اصرار کیا اُمِ کلثومؓ نے فریاد کی "میں عورت ہوں، کمزور ہوں، مجھے اپنے ایمان کا ڈر ہے" (یہ نہیں کہ مجھے اپنے قتل کئے جانے کا ڈر ہے) وہ خطہ جہاں اس طرح کے جذبات کا ہیولا موجود تھا چند سال بعد ایسے خطہ امن میں بدل سکتا تھا کہ ایک عورت حیرہ سے حضرموت تک اکیلی سفر کرے اور اسے سوائے خدا کے کسی کا ڈر نہ ہو۔

زمانہ جاہلیت کی تصویر کو تاریک تر بنانے کے لئے یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ عورت کو کھلونا سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ آج کی متمدن دنیا تذلیل صنفِ نازک میں تاریخ عالم کے ہر غیر متمدن دور سے آگے ہے۔ کہیں فیشن پریڈ میں، کہیں مقابلہ حسن میں، کہیں ملبوسات کی نمائش کی غرض سے اور کہیں محض گلیمر کے لئے عورت کو رسوا کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ فلم کا اشتہار ہو یا قلم کا، عورت ماڈل کے طور پر موجود ہے۔ صابن یا شیمپو کا کوئی اشتہار تو عورت کی تذلیل کے بغیر مکمل ہی نہیں سمجھا جاتا اور اگر عورت کو کھلونا سمجھنے سے مراد مردوں کی ہوس رانی ہے تو اہل عرب سے زیادہ بعض دوسری اقوام اور تہذیبیں مورد الزام ٹھریں گی۔ اگر مراد یہ ہے کہ مرد ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے تھے تو کیا متمدن ہنداس سے پاک تھا؟ یہاں بھی انواس عورتوں سے بھرے پڑے تھے بلکہ اسے مذہبی سند حاصل تھی۔ رامائن کے مطابق راجا دسرتھ کی تین بیویاں تھیں اور تین سو پچاس لونڈیاں۔ افریقہ کے اکثر حصوں میں جو عیسائیت کے اثر سے آزاد تھے بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی عرب معاشرے میں بھی بیویوں کی تعداد پر کوئی پابندی نہ تھی اسلام نے اسے چار تک محدود کر دیا اور وہ بھی شرط عدل کے ساتھ۔ عرب نے کبھی اباحت نسواں کو تسلیم نہیں کیا حالانکہ یونان کے عہد عروج میں افلاطون نے اپنی جمہوریہ میں اباحت نسواں کا محدود سا تصور پیش کیا تھا جو عملی زندگی میں دو قدم نہ چل سکا۔ البتہ ادھر ایران میں مزدکیت کی تحریک کے تحت اس کو عملی شکل دی گئی لیکن اس سے معاشرے میں وہ بگاڑ اور انتشار پیدا ہوا کہ پورا معاشرہ چیخ اٹھا اور بالآخر اسی اباحتِ نسواں

کے حیوانی تصور کے باعث مزدکیت کی تحریک ناکام ہوگئی اور خدنیں غسل کے بعد دفنادی گئی۔

ایام جاہلیت کی ایک اور برائی کا بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ فاحشائیں ایک سے زیادہ لوگوں کے ساتھ تعلق رکھتی تھیں (فاحشہ پر کسی ملک کے قانون نے پابندی نہیں لگائی کہ وہ فاحشہ بھی ہو اور ایک مرد کی ہو کر رہے) البتہ کوئی فاحشہ حاملہ ہو جاتی، بچہ پیدا ہو جاتا تو قیافہ شناس فیصلہ کرتے یا وہ فاحشہ خود فیصلہ کرتی کہ بچہ کس کا ہے اور بالعموم اسے ماننا پڑتا۔ اس طرح بچے کو ولدیت مل جاتی اور کچھ معاشی فوائد بھی حاصل ہو جاتے تاہم یہ جسم فروشی ہی تھی، جس کا کوئی جواز نہ تھا اہل عرب اسے پسند بھی نہیں کرتے تھے چند شوہری کو عرب نے کبھی قبول نہیں کیا جبکہ تبت سمیت ہند میں اس کے لئے دیومالائی جواز تلاش کر لئے گئے تھے۔ دروپدی کے پانچ شوہر تھے۔ پہلے اس کی تاویل کی گئی کہ یہ تمثیل ہے روح کے ساتھ حواسِ خمسہ کے تمسک کی اور اب نئی ہندو نسل کھلم کھلا اس دیومالائی کہانی کا مذاق اڑا رہی ہے۔

بعض ماہرین عمرانیات نے مادرسری معاشرے کو پدری معاشرے پر مقدم ٹھہرایا ہے جس میں ماں خاندان کی سربراہ ہوتی ہے اور باپ مجہول ہوتا ہے۔ ماہرین عمرانیات بیسویں صدی کے وسط تک نور یافت قبائل میں پہنچ کر اس احمقانہ مفروضے کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔

قصاص اور دیت کے قوانین ایام جاہلیت میں موجود تھے لیکن ان پر صحیح عملدرآمد نہیں ہوتا تھا۔ بارسوخ افراد اور بے رسوخ افراد برابر نہیں تھے، آزاد اور غلام برابر نہیں تھے، طاقت ور قبائل اور کمزور نہیں تھے۔ اس لئے انصاف کے تقاضے پورے نہیں ہوتے تھے۔ اسلام نے حکم دیا سب لوگ قصاص اور دیت میں برابر ہیں انصاف کے معاملے میں بڑے اور چھوٹے، امیر اور غریب، بارسوخ اور بے رسوخ میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔

عروہ بن مسعود ثقفی نے صلح حدیبیہ کے وقت سفیر قریش کی حیثیت سے حضور ﷺ سے گفتگو کی۔ مغیرہ بن شعبہ کی مداخلت پر سخت جملہ کہا اور احسان یاد دلایا۔ ابوبکر صدیقؓ کی مداخلت پر اپنے مرہون احسان ہونے کا ذکر کیا، یہ دونوں واقعات ادائے دیت میں معاونت ہی کے واقعات تھے عروہ بن مسعود ثقفی نے مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ ادائے دیت میں تعاون کیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ادائے دیت ہی کے کسی معاملے میں عروہ بن مسعود ثقفی کی مدد تھی۔

مختصر یہ کہ ایام جاہلیت میں عربوں کے ہاں اللہ کا نام موجود تھا، اور خدائے بزرگ و برتر بھی وہی تھا۔ اب اسے الہ واحد کے طور پر منوانا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نام کسی تعارف کا محتاج نہ تھا۔ اکثر قبائل انہی کی اولاد تھے یا انہی کی اولاد ہونے کے مدعی تھے۔ خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک فرضی تصویر بھی موجود تھی۔ قرآن مجید لوگوں کو دین ابراہیمی کی طرف بلاتا تھا یعنی ایک بھولے ہوئے سبق کو یاد دلاتا تھا۔ یہودی اور عیسائی عرب شام، مصر، فلسطین اور حبشہ میں بستے تھے۔ ان کے عقائد، رُسل اور کتب کے حوالے سے بات کی جا سکتی تھی، عربوں کی کوئی اپنی دیومالا نہیں تھی جو توحید

کی راہ میں رکاوٹ بنتی۔

اب چند ایسے امور کا سرسری ذکر کیا جاتا ہے جو حجاز کو بعثتِ ختم المرسلین اور نزول قرآن کے لئے موزوں ترین مقام بنا دیتے ہیں۔ ایام جاہلیت میں بھی خانہ کعبہ محترم تھا۔ اس کی حرمت مسلمہ تھی حضور ﷺ کی حیات مبارکہ میں خانہ کعبہ کی تعمیر نو ہوئی تھی خانہ کعبہ پر غلاف بھی چڑھایا جاتا تھا۔ ایام جاہلیت میں بھی حج ہوتا تھا، حجر اسود کی تعظیم کی جاتی تھی۔ کعبہ کا طواف تھا، صفا و مروہ کی سعی تھی۔ جانوروں کی قربانی بھی دی جاتی تھی۔ البتہ مناسکِ حج میں کچھ بدعات شامل ہوگئی تھیں جن سے حج کو پاک کرنا تھا، تلبیہ بھی تھا مگر اس میں کچھ مشرکانہ جملے اضافہ کر لئے گئے تھے یہ جملے حذف کرنا تھے۔ آب زمزم کو مقدس و متبرک مانا جاتا تھا۔ حج کیلئے ذی الحجہ ہی کا مہینہ معین تھا اگرچہ نسی کے قاعدے نے اس میں گڑبڑ کر دی تھی، عمرہ بھی تھا۔ آداب عمرہ بھی تقریباً وہی تھے۔ حج و عمرہ کو آلودگیوں سے پاک کرنا تھا۔ عرب فرشتوں کو مانتے تھے اور انہیں خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ اسلام کو فرشتوں کا وجود ثابت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ صرف یہ منوانا تھا وہ خدا کی بیٹیاں نہیں اور خدا کی خدائی میں شریک نہیں۔

عرب اپنے مردوں کو کفناتے اور دفناتے تھے اسلام نے بھی یہی طریقہ باقی رکھا، ختنہ مروج تھا اسلام نے اسے باقی رکھا۔ مشاورت کا طریق حجاز میں مروج تھا۔ مجلس مشاورت بھی موجود تھی (دارالعوام بھی اور دارالامرا بھی) اہم فیصلے مشاورت ہی سے کئے جاتے تھے۔ قرآن مجید نے مشاورت کی اہمیت بڑھائی اور یوں شورائی نظام اعلیٰ نظم و نسق اور عدل و انصاف کا ضامن بن گیا۔ رضاعت کے رشتوں کا وہ احترام جو عرب میں تھا، اس درجے میں شاید دنیا کے کسی خطے میں موجود ہو۔ رضاعت ایک رواج کے طور پر موجود تھی۔ رضاعی ماں باپ اور بہن بھائی کا احترام کیا جاتا تھا۔ اسلام نے رضاعت کے رشتوں میں تقدیس اور حرمت پیدا کی۔

فخر و مباہات اہل عرب کی گھٹی میں پڑے تھے۔ جب اسلام وجہ افتخار بنا تو انہوں نے اسے تاج سلطانی سمجھ کر سروں پر سجایا عربوں کو زبان پر ناز تھے۔ شعر گوئی اور شعر فہمی عام تھی۔ نزاکتوں کو سمجھتے تھے۔ قرآن مجید کو بطور معجزہ پیش کرنے کی گنجائش موجود تھی۔ عرب عام طور پر صادق الوعد تھے، مہمان نواز تھے، بہادر تھے، غیرت مند تھے، آن پر کٹنا مرنا جانتے تھے۔ اسلام لائے تو یہی خوبیاں اسلام کا بول بالا کرنے کام آئیں۔

غرضیکہ بعثتِ ختم المرسل اور نزول قرآن مجید کے لئے کرۂ ارض پر بہترین اور مناسب ترین جگہ خطہ حجاز ہی تھی اور حجازی معاشرہ اپنی تمامتر جاہلیت کے باوجود قبول حق کے لئے موزوں ترین معاشرہ تھا۔

(بشکریہ: ماہنامہ ''الرشید'' لاہور)

دینی مدارس کے بارے میں حکومتی اعلانات واقدامات اور ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کا مؤقف

مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم، رابطہ سیکرٹری اتحاد تنظیمات مدارسِ دینیہ پاکستان وناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مُلک میں دینی جماعتوں، دینی اداروں اور مدارس و جامعات کے بارے میں حکومتی اعلانات و اقدامات سے اضطراب و بے چینی کی فضا اور پروپیگنڈے کے گرد وغبار سے متأثر ہونا فطری ہے۔ اس کا ثبوت احقر کو موصول ہونے والے وہ بے شمار فون اور پیغامات ہیں جو مُلک کے اطراف واکناف سے روزانہ ملتے ہیں اور جن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ان تمام استفسارات میں قدر مشترک مدارس کے مستقبل کے بارے میں اظہار تشویش، حکومتی عزائم کے بارے میں فکر مندی اور اس سلسلہ میں ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے لائحہ عمل اور اقدام کا انتظار ہے۔ ان تمام حضرات کو انفرادی طور پر مطمئن کرنے کے علاوہ احقر نے اخبارات، ذاتی رابطوں اور فون کے ذریعے اہم اُمور اور تازہ صورتِ حال سے اہل مدارس کو باخبر رکھنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن تفصیلی طور پر تمام حالات اور ''وفاق'' کی پالیسی سے اسفار اور مشاغل کی وجہ سے آگاہ نہ کرسکا۔ اس لئے چند گزارشات قدرے تفصیل کے ساتھ عرض کی جارہی ہیں۔ اُمید ہے ان شاء اللہ شافی ہوں گی۔

اربابِ ''وفاق'' کی مساعی اور فرض شناسی:

(۱) جب سے مدارس و جامعات کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈے کا آغاز ہوا بالخصوص 15 رمضان المبارک 1422ھ سے اس میں شدت آجانے کے بعد ''وفاق'' کی قیادت نے مدارس دینیہ کے تحفظ میں کسی قسم کے تساہل اور غفلت سے کام نہیں لیا۔ ہمارے اکابر ضعف و نقاہت اور علالت اور تدریسی و انتظامی مصروفیات کے باوجود اس فریضہ کو جس خوش اسلوبی سے نباہ رہے ہیں اس پر وہ تمام اہل علم کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ تمام حضرات اس وقت اپنے تمام مشاغل اور مصروفیات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے شب و روز مدارس کے تحفظ و بقاء، خودمختاری و آزادی کے لئے کوشاں ہیں۔ آپ نے ان حضرات سے جو توقعات وابستہ کی ہیں اور جس اعتماد کا اظہار کیا ہے مجھے حق تعالیٰ شانہٗ کے فضل سے پوری اُمید ہے کہ وہ اس کے اہل بھی ہیں اور ان شاء اللہ! آزمائش کی اس گھڑی میں ان توقعات اور اعتماد پر پورا بھی اُتریں گے۔

مشترکہ مقاصد کے لئے مشترکہ جدوجہد:

(۲) موجودہ دور میں مشترکہ مقاصد کے لئے اجتماعی جدوجہد اور زیادہ سے زیادہ افرادی قوت کا اظہار ناگزیر ہے۔ چنانچہ ''وفاق المدارس'' نے تمام مکاتب فکر کے وفاقوں اور تنظیموں کو ایک متحدہ محاذ میں تبدیل کرنے

کے لئے انتہائی مخلصانہ مساعی انجام دیں، جن کی بدولت دو سال قبل ''اتحاد تنظیمات مدارسِ دینیہ پاکستان'' کا وجود عمل میں آیا، جو بحمد اللہ اب ایک مضبوط، فعال، متحرک اور مستحکم مگر غیر سیاسی تنظیم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس اتحاد کے قیام و استحکام کے لئے تمام مکاتب فکر کی مساعی مشکور ہیں، مگر ''وفاق'' کا کردار اس سلسلہ میں نہایت قابل قدر، اساسی اور لائق تحسین ہے۔ اس اتحاد کو مزید مؤثر اور ہمہ جہتی بنانے کے لئے اسے مرکز سے صوبوں، اضلاع اور تحصیل کی سطح تک وسعت دی جا رہی ہے۔ مدارس کی آزادی و تحفظ، بقاء اور خود مختاری کے سلسلہ میں تمام مکاتب فکر متحد و متفق ہیں اور درپیش تمام مسائل کو باہمی مشاورت اور اتفاق سے حل کرنے کے اصول پر قائم ہیں۔ آپ حضرات بھی موجودہ حالات میں مقامی سطح پر اس اتحاد کو مضبوط و مؤثر اور مستحکم بنانے میں اپنا کردار ضرور ادا کریں اور تمام مکاتب فکر کے علماء کو اپنے ساتھ لے کر چلیں۔ دینی حلقوں کے اتحاد کو مزید مؤثر بنانے کے لئے ''وفاق'' نے ملک کی دینی جماعتوں اور ممتاز مذہبی و علمی شخصیات سے بھی رابطہ کیا ہے، بحمد اللہ ہمیں ان دینی جماعتوں اور شخصیات کی بھرپور حمایت حاصل ہے جس پر ہم اُن کے شکر گزار ہیں۔

حکمت و تدبّر اور استقامت:

(۳) پورے ملک میں مدارس و مکاتب اور جامعات کا وسیع سلسلہ ایک غیر متزلزل قوت ہے، جس کے استعمال کے لئے انتہائی دور اندیشی، دانشمندی اور حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ تصادم و تزاحم کی پالیسی نقصان دہ ہو سکتی ہے، اس لئے ''وفاق'' کی قیادت نے تمام معروضی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے افہام و تفہیم اور حکمت و تدبر کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرزِ عمل اور فیصلہ کی وجہ کسی قسم کی کمزوری یا خدانخواستہ مداہنت نہیں بلکہ ہمیں اپنے مؤقف کی صداقت و حقانیت پر یقین اور حق تعالیٰ کی امداد پر توکل و اعتماد ہے۔ بحمد اللہ ہم اپنا مؤقف دلائل و براہین سے ثابت کر سکتے ہیں اور مدارس پر لگائے جانے والے الزامات کا لغو و بے بنیاد ہونا ہر عدالت میں ثابت کر سکتے ہیں۔ اس لئے مستقبل میں بھی ''وفاق'' پُرامن جدوجہد کے ساتھ مدارس و جامعات کے تحفظ کا فریضہ انجام دینے کی پالیسی پر گامزن رہے گا، لیکن اگر حکومت نے ہمیں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا تو ان شاء اللہ ان دینی مراکز کے وجود و بقاء اور تحفظ کے لئے ہماری جانیں بھی حاضر ہیں۔

یہ قلعے اِن شاء اللہ باقی رہیں گے:

(۴) ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کو اس وقت جس چیلنج کا سامنا ہے اس کا بنیادی ہدف مدارس کی شکل میں موجود ان دینی قلعوں کی حفاظت اور ان کی آزادی و مختاری کا تحفظ ہے۔ اکابر اُمت سے ملنے والی یہ میراث ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔ مدارس کی تعلیمی، انتظامی اور مالیاتی خود مختاری پر کسی قسم کا سمجھوتہ ان قلعوں میں شگاف ڈالنے کے مترادف ہے، جسے کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جائے گا۔ مدارسِ دینیہ کی آزادی اور دینی تشخص کے تحفظ و بقاء کی قیمت پر کوئی بھی حکومتی پیشکش کسی صورت میں قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ عزم بالجزم

اپنی ذات، مفادات، حتیٰ کہ مدارس و جامعات کی عمارات کے تحفظ کے لئے بھی نہیں بلکہ صرف اور صرف دین کے تحفظ، اسلام کی اشاعت و بقاء اور آنے والی نسلوں تک اکابر کی امانت کو بحفاظت پہنچانے کے لئے ضروری ہے۔

یہ مؤقف صرف ''وفاق'' کا نہیں، بلکہ بحمداللہ ''وفاق'' کی مساعی اور کوششوں کی بدولت تمام مکاتب فکر کا مشترکہ، متفقہ، اٹل، بے لچک اور غیر مبہم مؤقف ہے۔ ہم نے بحمداللہ اپنا یہ مؤقف ارباب حکومت پر دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ہم اپنی اسناد کا حکومتی اسناد کے ساتھ ''معادلہ'' تک قربان کر دیں گے، مگر مدارس دینیہ کے آزادانہ کردار اور خود مختاری پر کسی قسم کی سودے بازی نہیں کریں گے۔

آزمائش کی اس طرح کی گھڑیاں ہمارے اکابر پر بھی آئیں، مگر بحمداللہ اُن کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش اور مؤمنانہ جرأت میں معمولی سی کمزوری بھی نہیں آئی۔ اُن کا غیر متزلزل اور جرأت مندانہ مؤقف ہم سب کے لئے اُسوہ اور مشعل راہ ہے۔ اسی طرح کے پرآشوب حالات میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ''مدرسہ عمارت کا نام نہیں بلکہ استاذ، شاگرد اور کتاب کے تعلق اور رشتہ کا نام ہے۔ اگر حکومت نے گارے اور مٹی کی بنی ہوئی ان عمارتوں پر قبضہ کر لیا تو ہم درختوں کے سائے میں طلبہ کو قرآن و حدیث اور دینی علوم کی تعلیم دینا شروع کر دیں گے''۔

حضرت مفتی صاحبؒ کی اس قلندرانہ جرأت اور مؤمنانہ شجاعت نے فراعنۂ وقت کو اپنی پالیسی بدلنے پر مجبور کر دیا۔

محدثِ وقت حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ اگر حکومت نے آپ سے مدارس چھین لئے تو آپ کیا کریں گے؟ تو اُنہوں نے بغیر کسی تأمل کے فرمایا کہ ''میں کسی گاؤں میں جا کر کسی بند اور ویران مسجد کو کھولوں گا، جھاڑو دوں گا، اذان اور نماز باجماعت کا اہتمام کروں گا اور اہل وہ سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھنے کے لئے بھیجیں۔ اس طرح جو بچے آئیں گے ان تک دین کی اس امانت کو پہنچائیں گے۔''

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مجوز و مؤسس اور احقر کے جدامجد عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مجالس میں کئی مرتبہ یہ ایمان افروز حقیقت ذہن نشین کرائی کہ ''یہ مدارس اور ان کی عمارتیں مقصود نہیں، بلکہ مقصود کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اصل مقصود و مطلوب رضائے الٰہی اور مرادِ خداوندی کو معلوم کر کے اس پر عمل کرنا ہے۔ اس کی تعلیم و تدریس کچے مکان اور جھونپڑی میں بھی دی جا سکتی ہے۔''

ہم علم و عمل میں ہزار درجے کوتاہ سہی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم انہی اکابر کے اخلاف اور خوشہ چین ہیں، انہی کا نقشِ قدم ہمارے لئے جادۂ راہ ہے۔ ہم ان شاء اللہ مقدور بھر ان مدارس اور عمارات کا بھی تحفظ کریں گے کہ یہ بھی قوم کی امانت ہیں۔ قرآن و حدیث کے یہ بلند و بالا مراکز کسی حکومت کی عنایات کے رہین منت نہیں بلکہ علماء اور مخلص مسلمانوں کے باہمی اعتماد و تعاون کا مظہر ہیں، لیکن اگر بالفرض حکومت ان

ارتوں کو اپنی تحویل میں لے کر بزعم خویش مدارسِ دینیہ کی آزادی وخودمختاری کو سلب کرنے کی کوشش کرتی ہے تو بس علمِ دین کی اشاعت وتبلیغ اور درس وتدریس کے اس سلسلہ کو قائم وجاری رکھنے کے لئے عزم محمود، استقامتِ سف اور تلقینِ خیر کا فیصلہ اور ارادہ ابھی سے کر لینا چاہئے۔

اس ضروری تمہید کے بعد موجودہ صورتِ حال اور مدارس کو درپیش مسائل اور اُن کے حل کے لئے کی گئی مساعی اور پیش رفت کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ اس ضمن میں تقریباً تین ماہ سے صدر پاکستان، زیر داخلہ، وزیر مذہبی اُمور، صوبوں کے گورنرز اور دیگر اعلیٰ فوجی وسول شخصیات سے ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے رہنماؤں کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اب تک زیر بحث آنے والے اُمور درج ذیل ہیں:

(۱) فرقہ وارانہ دہشت گردی اور مدارس

حکومتی موقف:

ملک میں ہونے والی دہشت گردی میں بعض دینی مدارس بھی ملوث ہیں۔

''وفاق'' کی جانب سے اظہارِ حقیقت:

مدارسِ دینیہ کے ذمہ داران نے فرقہ وارانہ دہشت گردی کی ہمیشہ مذمت کی ہے۔ وہ دہشت گردی کو خواہ وہ مذہبی ہو یا لسانی اور علاقائی، مُلک کی یک جہتی، امن وسکون اور معاشی ترقی اور خوش حالی کے لئے زہر قاتل سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں فرقہ واریت کو ہوا دینے میں اہلِ مذہب سے زیادہ بیرونی تخریبی عناصر اور ایجنسیوں کا کردار رہا ہے۔ پاکستان میں عدم برداشت کی یہ فضا دس بارہ سال سے پیدا ہوئی ہے۔ مدارسِ دینیہ ڈیڑھ سو سال سے قائم ہیں۔ فرقہ واریت کو مدارس کی پیداوار کہنا سراسر خلافِ واقعہ ہے۔ ''وفاق'' کی طرف سے بارہا یہ پیشکش دُہرائی جا چکی ہے کہ اگر حکومت کسی مدرسہ کو دہشت گردی میں ملوث سمجھتی ہے تو ٹھوس ثبوت کے ساتھ اُسے منظر عام پر لائے۔ ہم حکومتی کارروائی سے پہلے اُس کے خلاف سخت تادیبی کریں گے۔ مگر ابھی تک حکومت کسی دینی ادارے کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہیں کر سکی، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مدارسِ دینیہ کا دامن ہر قسم کی دہشت گردی سے پاک ہے۔

بحمد اللہ حکومت نے ہماری اس وضاحت کو تسلیم کیا اور ۲۷ دسمبر ۲۰۰۱ء کو صدر پاکستان نے وفاقوں کے قائدین کو یقین دہانی کرائی کہ ہم کسی مدرسہ کے خلاف ٹھوس ثبوت اور اس کے متعلقہ وفاق کو اعتماد میں لئے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اگر صدر پاکستان اس وعدے کا پاس کرتے ہیں تو ہمیں کامل یقین ہے کہ انہیں دہشت گردی میں ملوث کوئی ایک دینی ادارہ بھی نہیں ملے گا۔

(۲) رجسٹریشن

حکومتی مؤقف:

مدارس کی رجسٹریشن نئے قانون یا پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے قواعد وضوابط کے مطابق کی جائے گی اور ۲۳ مارچ ۲۰۰۲ء تک تمام مدارس کے لئے رجسٹریشن لازمی ہوگی۔

''وفاق'' کا مؤقف:

ہمیں مدارس کی رجسٹریشن اور یکسانیت پر کوئی اعتراض نہیں مگر عوامی عطیات سے چلنے والے تعلیمی و رفاہی اداروں کو پرائیویٹ سکولز اور کمرشل اداروں کی صف اور قانون بندی میں جکڑنا نامناسب ہے۔ سکولوں کے قواعد وضوابط کے اطلاق یا کسی نئے قانون کے تحت رجسٹریشن سے مدارس کی آزادی وخودمختاری کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ حکومت اور مدارس کے درمیان اعتماد ومفاہمت کی فضا بھی متاثر ہوگی، اس لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ حکومت رجسٹریشن کے سابقہ قانون ''سوسائٹی ایکٹ مجریہ 1860ء'' کے تحت مدارس کو رجسٹرڈ کرے۔ اس قانون کے تحت ۱۹۹۴ء سے حکومت نے رجسٹریشن پر پابندی عائد کر رکھی تھی۔ لیکن اکتوبر ۲۰۰۱ء سے مساجد کی رجسٹریشن اسی ایکٹ کے تحت ہو رہی ہے۔ مناسب ہوگا کہ مدارس کی رجسٹریشن بھی اسی قانون کے تحت کی جائے۔ اس طرح جو مدارس پہلے سے رجسٹرڈ ہیں ان کی نئی رجسٹریشن کی ضرورت نہ ہوگی۔ نیز ہر سال رجسٹریشن کی تجدید کی شرط غیر ضروری ہے۔ ۲۳ مارچ کی تاریخ میں بھی توسیع کی ضرورت ہے۔

تازہ صورتِ حال:

۲۷ دسمبر ۲۰۰۱ء کو صدر پاکستان نے ہمارے اس مؤقف کو توجہ سے سنا اور غور کا وعدہ فرمایا۔ ۲۹ جنوری ۲۰۰۲ء کو وفاقی وزیر مذہبی اُمور ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب سے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ الحمدللہ اُنہوں نے ہمارے مؤقف کو درست تسلیم کیا اور وعدہ کیا کہ وہ صدر پاکستان کو مدارس کا یہ مؤقف اپنی مکمل تائید وسفارش کے ساتھ پیش کریں گے۔ اس لئے اہلِ مدارس فی الحال رجسٹریشن کے قانون کا انتظار فرمائیں۔ حکومت کے ساتھ اس سلسلہ میں مسلسل رابطہ ہے۔ جونہی کوئی صورتِ حال واضح ہوئی تمام مدارس کو بذریعہ خط اور اخبارات اس سے مطلع کر دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ جو کوائف محکمہ اوقاف مدارس سے طلب کر رہا ہے اُن کا رجسٹریشن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمیں اہل مدارس کی پریشانی کا پوری طرح احساس ہے اور ہم بحمداللہ اپنے فرائض اپنی بساط کے مطابق پوری تندہی سے انجام دے رہے ہیں۔

(۳) نئی مساجد ومدارس کے لئے این او سی کی پابندی

حکومتی مؤقف:

بعض مساجد و مدارس سرکاری املاک یا نجی املاک پر بلا اجازت تعمیر کی گئی ہیں۔ انہدام کی صورت میں امن و امان کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، لہٰذا آئندہ کوئی مسجد یا مدرسہ این.او.سی کے بغیر تعمیر نہیں ہو سکے گا اور این.او.سی حکومت جاری کرے گی۔

''وفاق'' کا مؤقف:

سرکاری یا نجی املاک پر قبضہ کرنا قانون شکنی ہے، خواہ وہ مسجد اور مدرسہ ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔ ہم اس کی بالکل حمایت نہیں کرتے۔ لیکن یہ مساجد اور مدارس راتوں رات ہی تعمیر نہیں ہوئے۔ زمانہ تعمیر میں متعلقہ افراد کو کھلی چھٹی دینا انتظامیہ کی غفلت اور نا اہلی ہے۔ نیز بے شمار سرکاری املاک پر پرائیوٹ سکولز، پلازے، کوٹھیاں، دُکانیں غیر قانونی طور پر موجود ہیں، لیکن اس کی بناء پر کسی شخص کو اپنی جائز قانونی ملکیت میں سکول یا دکان بنانے کے لئے کسی این.او.سی کا پابند نہیں کیا گیا۔ یہ پابندی صرف مساجد اور مدارس پر کیوں لگائی جا رہی ہے؟ کہیں اس کا اصل مقصد مساجد اور مدارس کی تعمیر کی حوصلہ شکنی تو نہیں؟

تاہم اصولی طور پر ہم اس بات سے متفق ہیں کہ کسی دوسرے کی مملوکہ جگہ پر مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا ناجائز ہے۔ آئندہ کے لئے اس کے تدارک کی بہتر صورت یہ ہے کہ سرکاری اداروں کی بجائے ''متعلقہ وفاق'' این.او.سی جاری کرے۔ متعلقہ وفاق سرکاری اداروں سے زیادہ بہتر تحقیق کر سکتا ہے کہ مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کے لئے حاصل کردہ زمین قانونی ہے یا نہیں۔ مساجد عبادت گاہیں ہیں۔ سرکاری این.او.سی لازمی قرار دینے کی صورت میں ان میں نہ صرف حکومتی مداخلت کا اِمکان ہے بلکہ سیاسی اور مسلکی اختلاف نئی مساجد و مدارس کے قیام میں رُکاوٹ بن سکتا ہے۔

پاکستان کے بہت سے علاقوں میں جاگیردار طبقہ نے اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے سکول تک نہیں بننے دیئے، اگر مدارس کے قیام کے لئے بھی سرکاری اجازت لازمی قرار دی گئی تو اندیشہ ہے کہ یہ جاگیردار اپنے علاقوں میں مدارس قائم کرنے کی اجازت بھی نہیں دیں گے۔

تازہ صورتِ حال:

۲۹ جنوری ۲۰۰۲ء کو وفاقی وزیر مذہبی اُمور نے ہمارے مؤقف سے اتفاق کیا اور اربابِ حکومت سے اس سلسلہ میں مزید بات چیت کا وعدہ کیا۔

(۴) مدارس کے نصابِ تعلیم میں عصری مضامین کا اضافہ

حکومتی مؤقف:

دینی مدارس اپنے نصاب میں چار عصری مضامین انگلش، جنرل سائنس، ریاضی اور مطالعہ پاکستان شامل کریں، تاکہ علماء دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی تعلیم سے باخبر ہوں اور دوسرے شعبوں میں بھی ملازمت حاصل کرسکیں۔

''وفاق'' کا مؤقف:

دینی مدارس کا بنیادی مقصد روزگار کے مواقع حاصل کرنا اور ملازمتیں نہیں بلکہ قرآن وحدیث اور علوم دینیہ کی تدریس واشاعت اور تحفظ ہے۔ سیٹلائزیشن کے اِس دور میں ایک عالمِ دین کے لئے ایسے فنون کی تعلیم لازمی قرار دینا جن کا اس کے دائرہ تخصص کے ساتھ کوئی تعلق نہیں غیر معقول ہے۔ تاہم ابتدائی طور پر مدارسِ دینیہ میں انگریزی، اُردو، جنرل سائنس، معاشرتی علوم اور مطالعہ پاکستان کی تعلیم دی جارہی ہے۔ اور یہ مضامین ''وفاق'' کے نصاب میں پہلے سے شامل ہیں۔ بعض مدارس میں ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر کی تعلیم بھی ہورہی ہے۔ دینی مدارس اپنی اور عصرِ حاضر کی ضروریات سے آگاہ ہیں اور اُن کے متعلقہ وفاق اپنے اپنے نصاب ہائے تعلیم میں وقتاً فوقتاً اضافہ وترمیم کرتے رہتے ہیں۔ اگر پاکستان میں لاکھوں پرائیوٹ سکولوں کو اپنا نصاب تعلیم خود طے کرنے کا حق حاصل ہے تو دینی مدارس سے یہ حق کس قانون اور ضابطے کے تحت چھینا جارہا ہے۔ ہمارا یہ مؤقف دوٹوک ہے کہ اگر حکومت نے دینی مدارس کے وفاقوں کو اعتماد میں لئے بغیر اپنی طرف سے طے کردہ کوئی نصاب مدارس پر لازم کیا تو ''وفاق'' کے مدارس اُسے قبول نہیں کریں گے۔

کسی حکومتی مداخلت کے بغیر ثانویہ عامہ (میٹرک) تک ہم عصری علوم کی تدریس مدارسِ دینیہ میں دینے کے لئے تیار ہیں، جبکہ حکومت کو یہ تعاون کرنا چاہئے کہ وہ ہماری جاری کردہ ''شھادۃ الثانویۃ العامۃ'' کو میٹرک کے مساوی قرار دے، اور شہادۃ الثانویہ الخاصہ (ایف اے) اور شہادۃ العالیہ (بی اے) کا بھی معادلہ کرے۔

تازہ صورتِ حال:

۲۹ جنوری ۲۰۰۲ء کو وفاقی وزیر مذہبی اُمور نے ہمارے اس مؤقف سے اتفاق کیا اور وعدہ کیا کہ میٹرک تک کے لازمی مضامین جن مدارس میں پڑھائے جائیں گے اُن کے متعلقہ ''وفاق'' کی سند کے معادلہ کی پوری کوشش کی جائے گی اور باقی اسناد کا معادلہ بھی منظور کرایا جائے گا۔

(۵) غیر ملکی طلبہ کے داخلہ کا مسئلہ

حکومتی مؤقف:

غیر ملکی طلبہ کو تعلیمی ویزے کے بغیر داخلہ نہ دیا جائے۔ اس طرح کے زیرِ تعلیم طلبہ کو ویزے کے

حصول کے لئے واپس بھیجا جائے۔ متعدد ممالک نے ہم سے اس بناء پر احتجاج کیا ہے کہ آپ کے تعلیمی اداروں میں ہمارے باشندوں کو غیر قانونی طور پر داخلے کیوں دیئے جاتے ہیں۔

''وفاق'' کا موقف:

(الف) ہم قانونی دستاویزات کے بغیر کسی بھی غیر ملکی طالب علم کے تعلیمی داخلے کے قائل نہیں ہیں۔ البتہ علوم دینیہ کے خواہشمند یہ حضرات پاکستان جیسی نظریاتی و اسلامی مملکت کی جانب سے اس سلسلہ میں ہر قسم کے تعاون و خیر خواہی کے مستحق ہیں۔ غیر ملکی طلبہ کے لئے ویزے اور این.او.سی کا موجودہ طریق کار پیچیدہ اور مشکل ہے۔ اسے سہل بنانے کی ضرورت ہے۔ ایسے طلبہ کو کئی وزارتوں سے اجازت لینے کے علاوہ بہت سا وقت بھی ضائع کرنا پڑتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ون ونڈو آپریشن ہو، مدت کی تحدید کی جائے اور پاکستانی سفارت خانوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ متعینہ مدت میں اُمیدوار کی درخواست پر فیصلہ کر کے اطلاع دیں۔

(ب) جو طلبہ غیر تعلیمی ویزے پر پاکستان آئے، مگر پھر دینی ذوق کی بناء پر کسی مدرسہ میں پڑھنے لگے تو ایسے طلبہ کے ویزے متعلقہ ادارے یا ''وفاق'' کی تصدیق و سفارش پر تبدیل کر کے تعلیمی ویزوں میں بدل دیئے جائیں۔

تازہ صورتِ حال:

صدر مملکت نے 27 دسمبر کی ملاقات میں اس مطالبہ سے اتفاق کیا۔ چنانچہ 12 جنوری کے خطاب میں اُنہوں نے اعلان کیا کہ متعلقہ مُلک کے این.او.سی کے بعد غیر ملکی طلبہ کو تعلیمی ویزہ جاری کر دیا جائے گا۔ ایسے طلبہ کو واپس اپنے مُلک جانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ویزے کے حصول کو آسان بنانے کا مطالبہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ واضح رہے کہ تمام وفاقوں نے اپنے ملحقہ مدارس کو ہدایات دی ہیں کہ کسی بھی غیر مُلکی طالب علم کو قانونی دستاویزات کے بغیر ہرگز داخلہ نہ دیا جائے۔

(۶) دینی مدارس آرڈی ننس

چند ماہ قبل حکومت نے ایک ''دینی مدارس آرڈی ننس'' جاری کیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ اس کا تعلق صرف اُن مدارس سے ہوگا جو ماڈل دینی مدارس اور دارالعلوم حکومت خود قائم کرے گی یا جو مدارس رضا کارانہ طور پر اس بورڈ سے الحاق کریں گے۔ حکومتی حلقوں کی طرف سے یہ یقین دہانی کروائی گئی کہ اس آرڈی ننس سے آزاد دینی مدارس کی خود مختاری پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

صحیح صورتِ حال:

اس آرڈی ننس کے بغور مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں ایسے الفاظ شامل ہیں کہ اس آرڈی ننس کے تحت قائم ہونے والے بورڈ کا دائرہ کار غیر ملحق دینی مدارس و جامعات تک وسیع ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ۲۷ دسمبر کو صدر پاکستان سے ملاقات کے دوران ہم نے اس خدشہ کا اظہار کیا اور اُن پر واضح کیا کہ ہم دینی مدارس

کے نظام تعلیم و تربیت، نصاب تعلیم، امتحانات اور اندرونی اُمور میں حکومتی مداخلت کو ضرر رساں سمجھتے ہیں۔ دُنیا کے بیشتر ممالک میں ممتاز یونیورسٹیاں اپنے معاملات میں سرکاری مداخلت سے مکمل طور پر آزاد ہوتی ہیں۔ لہٰذا دینی مدارس کو بھی حکومتی مداخلت سے آزاد رہنے دیا جائے اور اس آرڈی ننس میں مناسب ضروری اصلاح کی جائے۔ نیز اس آرڈی ننس کی اصلاح کے لئے ایک تین رکنی کمیٹی تشکیل دی جائے۔ اس کمیٹی کے لئے مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب، نائب صدر تنظیم المدارس پاکستان، راقم الحروف محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان) اور جسٹس (ر) احمد علی (ممبر اسلامی نظریاتی کونسل) کے نام پیش کئے گئے۔

صدر پاکستان نے اس مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس آرڈی ننس کی اصلاح کے لئے مذکورہ بالا سہ رکنی کمیٹی کی منظوری دے دی ہے اور عنقریب وزارت مذہبی اُمور اس کا اجلاس طلب کر رہی ہے۔

(۷) مختلف حکومتی اداروں کی طرف سے مدارس کو موصول ہونے والے فارم

کچھ عرصہ سے حکومت کے مختلف محکموں اور ایجنسیوں کی طرف سے دینی مدارس کے کوائف طلب کئے جا رہے ہیں۔ اگرچہ ان میں زیادہ تر وہی کوائف پوچھے گئے ہیں جن کی تشہیر عام طور پر اہل مدارس کرتے رہتے ہیں اور انہیں فراہم کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کے لئے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے وہ خاصا پریشان کن اور تکلیف دہ ہے۔ یہ معلومات پہلے وزارت تعلیم، پھر وزارت مذہبی اُمور اور اب محکمہ اوقاف نے طلب کی ہیں جو دراصل ''وفاق'' کے فارم الحاق کی نقل ہیں۔

ہم اس سلسلہ میں حکومت کو متعدد بار کہہ چکے ہیں کہ آپ کو مدارس کے جو کوائف بھی مطلوب ہوں وہ متعلقہ وفاقوں کے مرکزی دفاتر سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اہل مدارس کو پریشان نہ کیا جائے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض سرکاری اہل کار اہل مدارس سے توہین آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں اور غیر متعلقہ سوالات کرتے ہیں۔ اس نامناسب طرز عمل کے باعث مدارس میں کافی اضطراب پایا جاتا ہے۔ مدارس میں بے پناہ مصروفیات اور ملازمین محدود ہوتے ہیں۔ ایک ہی نوعیت کے مختلف محکموں سے موصول ہونے والے یہ فارم ان کے لئے تضییع اوقات کا سبب بنتے ہیں۔ جب ایک محکمہ یہ کوائف حاصل کر چکا ہے تو باقی محکموں کو اُسی سے رجوع کرنا چاہئے۔ ارباب حکومت ہمارے اس مؤقف سے زبانی طور پر تو اتفاق کرتے ہیں، لیکن تاحال اُن کا عمل اس کے خلاف ہے۔

بہرحال ان فارموں کو پُر کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر کوئی مدرسہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی سوال ایسا ہے جس کا جواب عام مصلحت کے خلاف ہے تو وہ اسے ''وفاق'' کی طرف منتقل کر دے۔ خود مختار بورڈ، عصری علوم کی تعلیم اور اس سلسلہ میں مشکلات، مسائل اور تجاویز وغیرہ کے جواب میں یہ لکھا جائے کہ ہمارا الحاق ''وفاق المدارس'' سے ہے۔ اس سلسلہ میں ہم ''وفاق'' کے فیصلے اور پالیسی کے پابند ہیں۔

(۸) مدارس اور علماء کرام کے خلاف حالیہ حکومتی اقدامات

حکومت کے اعلان اور یقین دہانیوں کے برعکس بعض مقامات پر مدارس کے دفاتر کو سیل اور مہتمم حضرات، اساتذہ کرام اور طلبہ کو گرفتار کیا گیا ہے۔ یہ کارروائی بلا جواز اور غیر قانونی ہے۔ یہ تمام حضرات صرف درس و تدریس کا مقدس فریضہ انجام دینے والے ہیں۔ ہم اپنی بساط کے مطابق بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ گرفتار شدگان کی جلد از جلد رہائی عمل میں آسکے اور دفاتر کھل سکیں۔ ارباب مدارس سے بھی درخواست ہے کہ وہ اس طرح کی صورت حال میں مقامی سطح پر اہلِ مدارس اور علماء کے مشترکہ اجلاس بلوائیں، تمام مکاتب فکر سے رابطہ کریں، ضلعی ناظمین اور انتظامیہ سے مشترکہ وفود کی صورت میں ملیں۔ اگر ضرورت ہو تو احقر سے بھی رابطہ کریں۔ نیز گرفتار شدہ علماء اور مدارس کے خلاف ہونے والی کارروائی سے احقر کو بھی مطلع فرمادیں۔

آخری گزارش!

سہ ماہی ''وفاق'' کے شمارہ نمبر ''۵'' اور ''۶'' کا مکمل مطالعہ فرمالیا جائے۔ ان میں تمام ضروری تفاصیل موجود ہیں۔ آئندہ ہر شمارے کے مطالعہ کا اہتمام فرمادیں تو آپ کو تقریباً تمام سوالات کے جواب حاصل ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے وسائل کے مطابق رائے عامہ کو مدارس کے حق میں ہموار کریں۔ تمام طبقات حکام، وکلاء، علماء، تاجر، صنعت کار، اخبار نویس، کالم نویس، دانشوروں، سیاست دانوں اور سول و فوجی افسران سے ملاقاتیں کر کے انہیں دینی مدارس کی خدمات سے آگاہ کریں اور مدارس کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کی حقیقت بیان کریں۔ ''وفاق المدارس'' اور ''اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان'' کو مضبوط بنائیں اور مرکز سے رابطہ رکھیں۔

بنظرِ حالات حاضرہ آپ کی آراء و تجاویز ہمارے لئے رہنما ہوں گی۔ مدارس کے تحفظ کے لئے ہمیں مزید کیا اقدام اُٹھانے چاہئیں؟ اپنی رائے گرامی سے ضرور مطلع فرمادیں۔

راقم الحروف نے اپنی یہ معروضات قدرے تفصیل کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کردی ہیں، تاکہ تمام دینی حلقوں اور وفاقوں کے مشترکہ مؤقف کے علاوہ تاحال کی جانے والی کارگزاری بھی آنجناب کے علم میں آسکے۔ تاہم یہ سب ظاہری اسباب و وسائل ہیں اور اپنی تاثیر میں مؤثر حقیقی اور مسبب الاسباب کے محتاج ہیں۔ اس لئے مدارسِ دینیہ، مساجد اور دینی مکاتب کے تحفظ و بقاء اور آزادی و خود مختاری کے لئے خصوصی دعاؤں کی ازحد ضرورت ہے۔ اسے فراموش نہ فرمایا جائے۔ بلکہ جو لوگ مساجد و مدارس کے بارے میں نیک عزائم نہیں رکھتے اُن سے نجات کے لئے بھی دعاؤں کا اہتمام کیا جائے۔ یہ مدارس جس طرح ماضی میں انتہائی کٹھن حالات کے باوجود اپنے مشن پر کاربند رہے ہیں اِن شاءاللہ آئندہ بھی رہیں گے۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

دور جدید کی اعلیٰ فینسی ورائٹی کا مشہور مرکز

عمر فاروق ہارڈ ویئر پینٹس اینڈ مل سٹور

عمارتی و صنعتی سامان، ہارڈ ویئر، پینٹس، ٹولز، بلڈنگ میٹریل، گورنمنٹ کے منظور شدہ کنڈے، باٹ و پیمانہ جات

صدر بازار ڈیرہ غازی خان فون: 0640-462483

مولانا زاہد الراشدی

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمیؐ

امریکی ایوان نمائندگان نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ دستور پاکستان میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے والی شق اور توہین رسالت پر موت کی سزا کا قانون ختم کیا جائے۔ یہ مطالبہ ایک قرارداد کی صورت میں کیا گیا ہے جو صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کے حالیہ دورۂ امریکہ کے موقع پر امریکی ایوان نمائندگان نے منظوری کے بعد اس پر عملدرآمد کے اہتمام کے لئے اسے متعلقہ کمیٹی کے حوالے کر دیا گیا ہے۔

امریکہ کا یہ مطالبہ نیا نہیں، بلکہ کافی عرصہ سے چلا آ رہا ہے۔ ۱۹۸۷ء میں امریکی سینٹ کی ''خارجہ تعلقات کمیٹی'' نے پاکستان کی امداد کی بحالی کیلئے جو چند شرائط عائد کی تھیں، ان میں بھی قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ واپس لینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

ایک معاصر میں ۵ رمئی ۱۹۸۷ کو شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق امریکی سینٹ نے یہ طے کیا تھا کہ امریکی صدر ہر سال پاکستان کے بارے میں ایک رپورٹ جاری کیا کریں گے، جس میں توثیق کی جائے گی کہ حکومت پاکستان شرائط کی پابندی کر رہی ہے تو اس کے بعد امداد کی سالانہ قسط پاکستان کے سپرد کی جائے گی۔ ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ''حکومت پاکستان اقلیتی گروہوں، مثلاً احمدیوں کو مکمل شہری اور مذہبی آزادیاں نہ دینے کی روش سے باز آ رہی ہے اور ایسی تمام سرگرمیاں ختم کر رہی ہے جو مذہبی آزادیوں پر قدغن عائد کرتی ہیں''۔

اس کے بعد سے نہ صرف امریکہ بلکہ دیگر مغربی حکومتیں اور ایمنسٹی انٹرنیشنل سمیت بہت سے عالمی ادارے پاکستان کو مسلسل یاددہانی کراتے آ رہے ہیں کہ وہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے اور اسلام کے نام پر سرگرمیاں جاری رکھنے کی ممانعت سے متعلقہ قوانین پر نظر ثانی کرے۔ امریکی ایوان نمائندگان کی حالیہ قرارداد میں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ''بین الاقوامی چارٹر'' کی شق ۱۸ کا بھی حوالہ دیا گیا، جس کی رو سے قادیانیوں کے خلاف پاکستان میں نافذ شدہ قوانین بادی النظر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار پاتے ہیں۔ بعد میں جب توہین رسالت کے بعض واقعات پر پاکستان کی مختلف عدالتوں میں مقدمات کی سماعت شروع ہوئی تو توہین رسالت پر موت کی سزا کا قانون بھی بین الاقوامی تنقید کا ہدف بن گیا اور یہ مطالبہ عالمی سطح پر ہونے لگا کہ توہین رسالت کو ان سنگین جرائم میں شامل نہ کیا جائے، جن پر موت کی سزا دی جاتی ہے، چنانچہ امریکی ایوان نمائندگان کی حالیہ قرارداد بھی اسی پس منظر میں سامنے آئی ہے۔ جہاں تک امریکہ و دیگر مغربی حکومتوں اور بین الاقوامی اداروں کے مطالبات کا تعلق ہے تو ان کی بنیاد اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر پر ہے، جس کی دفعات ۱۸ اور ۱۹ حسب ذیل ہیں:

دفعہ ۱۸..... ہر شخص کو آزادیٔ خیال، آزادیٔ ضمیر اور آزادیٔ مذہب کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں اپنا مذہب یا عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی اور اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے اپنے مذہب یا عقیدے کی تعلیم، اس پر عمل، اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی شامل ہے۔

دفعہ ۱۹..... ہر شخص کو آزادیٔ رائے اور آزادیٔ اظہار کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی بھی ذریعہ سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے، حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہنچانے کا حق شامل ہے۔

مغربی ممالک اور اداروں کا موقف یہ ہے کہ اقوام متحدہ کے منشور کی یہ شقیں بین الاقوامی قوانین کا درجہ رکھتی ہیں اور پاکستان نے اقوام متحدہ کے ممبر کی حیثیت سے اس منشور پر دستخط کر کے اس کی پابندی کی ذمہ داری قبول کر رکھی اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے اور توہین رسالت پر موت کی سزا کے قوانین ان شقوں میں بیان کردہ آزادیوں اور حقوق کے منافی ہیں، اس لئے پاکستان کو اپنے حلف اور دستخط کے مطابق قوانین پر نظر ثانی کرنی چاہیے اور انہیں بین الاقوامی قوانین سے ہم آہنگ کرنا چاہیے۔ دوسری طرف پاکستان کا موقف یہ ہے کہ اس ملک کا قیام اسلامی تشخص کے حوالہ سے وجود میں آیا ہے۔ اسلام پاکستان کے لئے صرف ایک مذہب نہیں بلکہ ریاست کی وجہ قیام اور دستوری بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی احکام و قوانین کی اساس بین الاقوامی قوانین پر نہیں بلکہ قرآن و سنت پر ہے اور قرآن و سنت اور اجماع امت کی رو سے قادیانیوں کو مسلمان تسلیم کرنے اور انہیں ملت اسلامیہ کے حصہ کے طور پر قبول کرنے کی کسی درجہ میں کوئی گنجائش نہیں، اس لئے انہیں پاکستان کے دستور اور قانون کی رو سے مسلمان تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح توہین رسالت پر موت کی سزا اسلام کے احکام میں سے ہے، جس پر قرآن و سنت کی صریح تعلیمات کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کا چودہ سو سالہ اجماعی تعامل موجود ہے، اس لئے بین الاقوامی قوانین کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح احکام سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے اور انہیں ایک غیر مسلم اقلیت کے طور پر ملک میں قبول کرنے کا موقف دراصل علمائے کرام اور دینی حلقوں کا نہیں تھا اور وہ اس سلسلہ میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اسوہ کا حوالہ دیتے رہے ہیں، جنہوں نے جناب نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد نبوت کے تین دعویداروں مسیلمہ کذاب، سجاح اور طلیحہ کے خلاف باقاعدہ لشکر کشی کر کے ان کا استیصال کیا تھا، لیکن مفکر پاکستان علامہ سر محمد اقبالؒ نے ایک درمیان کی راہ نکالی کہ قادیانیوں کو نئے نبی کے پیروکار کی حیثیت سے مسلمانوں سے الگ نئی امت تسلیم کر لیا جائے اور غیر مسلم اقلیت کے طور پر مسلم معاشرے میں انہیں برداشت کر لیا جائے، چنانچہ علمائے کرام اور دینی حلقے اپنے موقف سے پیچھے ہٹ کر علامہ اقبالؒ کے موقف پر آ گئے، لیکن قادیانیوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور ایک نئے مدعی نبوت کے پیروکار ہونے کے باوجود خود کو مسلمانوں میں شامل رکھنے پر بے جا اصرار کیا، جس پر مسلمانوں نے باقاعدہ تحریک چلائی اور ۱۹۷۴ء میں ملک کی منتخب قومی اسمبلی نے ایک دستوری ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا، جس کے بعد بھی قادیانیوں کا اپنے موقف اصرار جاری رہا اور

انہوں نے پارلیمنٹ کا متفقہ فیصلہ قبول کرنیکی بجائے دستور سے انحراف کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اسلام کے نام پر اپنے نئے مذہب کی تبلیغ اور مسلمانوں کی مخصوص مذہبی علامات وشعائر مثلاً مسجد، کلمہ طیبہ، نماز وغیرہ کا استعمال مسلسل جاری رکھا اس پر ۱۹۸۴ء میں تمام مکاتب فکر کی مشترکہ دینی تحریک کے نتیجہ میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے ایک صدارتی آرڈیننس کے ذریعے قادیانیوں پر پابندی لگادی کہ وہ اسلام کے نام پر اپنے مذہب کی تبلیغ اور مسلمانوں کی مخصوص مذہبی علامات وشعائر استعمال نہیں کر سکتے، کیونکہ اس سے اشتباہ پیدا ہوتا ہے اور مسلمانوں کا دینی تشخص مجروح ہوتا ہے۔

بعد میں ۱۹۸۵ء میں منتخب ہونے والی پارلیمنٹ نے بھی اس آرڈیننس کی توثیق کردی، اسی طرح توہین رسالت پر موت کی سزا کے قوانین بھی منتخب پارلیمنٹ نے پاس کئے اور پاکستان کے عوام نے ان کے حق میں ملک گیر کامیاب ہڑتال کر کے یہ فیصلہ دیا کہ یہ قوانین صرف مذہبی حلقوں کا مطالبہ نہیں بلکہ پاکستان کے عوام کی غالب اکثریت کے دل کی آواز ہے، اس لئے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے، انہیں اسلام کا نام اور مسلمانوں کے شعائر وعلامات کے استعمال سے روکنے اور توہین رسالت پر موت کی سزا کے قوانین پاکستانی باشندوں کے ''عوامی فیصلے'' کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود امریکہ اور دیگر مغربی ممالک اور ادارے ان پر نظر ثانی کا مسلسل مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ پاکستان کی وزارت خارجہ کے ترجمان عزیز احمد خان نے ایک بریفنگ میں واضح کر دیا ہے کہ یہ دونوں قوانین منتخب پارلیمنٹ کے طے کردہ ہیں اور حکومت پاکستان ان پر نظر ثانی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی، لیکن ہمارے نزدیک صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے اور بین الاقوامی قوانین اور اسلامی احکام کے باہمی ٹکراؤ سے پیدا ہونے والے اس کنفیوژن کو دور کرنے کیلئے سنجیدہ محنت کی ضرورت ہے، جس میں ملک کے دینی حلقوں اور حکومت دونوں کو اپنا اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ ہمارے خیال میں اس مرحلہ پر مندرجہ ذیل نکات کو منطق، استدلال اور معقولیت کے ساتھ عالمی رائے عامہ کے سامنے واضح کرنا ضروری ہے۔

اپنے اسلامی تشخص سے دست بردار ہونا پاکستان کے لئے ممکن نہیں ہے اور ''اسلامی تشخص'' کو برقرار رکھتے ہوئے اقوام متحدہ کے ''انسانی حقوق کے چارٹر'' کو من وعن قبول کرنا بھی اس کے لئے ممکن نہیں ہے اور یہ صرف پاکستان کا نہیں، بلکہ دوسرے مسلم ممالک کا مسئلہ بھی ہے، اس لئے اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کی متنازع شقوں پر نظر ثانی ناگزیر ہو چکی ہے اور اس کے لئے او آئی سی اور اقوام متحدہ کے درمیان علمی سطح پر سنجیدہ مذاکرات ہونے چاہئیں۔ جن قوانین کی تبدیلی کا امریکی ایوان نمائندگان نے مطالبہ کیا ہے، وہ مخصوص مذہبی حلقوں کا مطالبہ نہیں بلکہ منتخب پارلیمنٹ کے فیصلے اور عوام کی غالب اکثریت کے دل کی آواز ہے، اس لئے انہیں تبدیل کرنا جمہوری اصولوں کی نفی ہے

پاکستان کے لئے اسلام دستوری بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے پاکستان میں اسلام کے خلاف بات کرنا یا اس کے کسی مسلمہ اصول کی نفی کرنا اسی طرح ہے جیسے امریکہ یا کسی اور ملک میں دستور کو چیلنج کرنا۔ اس لئے مذہب کو فرد کا پرائیویٹ معاملہ قرار دینے والے مغربی ممالک پاکستان کو خود پر قیاس نہ کریں اور اسے بھی اپنے دستور اور نظریاتی تشخص کے تحفظ کا اسی طرح حق دیں، جس طرح انہوں نے خود اپنے ریاستی ڈھانچوں اور دستور کے تحفظ اور پاسداری کے لئے قوانین بنا رکھے ہیں۔

سید محمد یونس الحسنی

مسٹر بش کی تقریر اور بین الاقوامی ردّعمل

امریکی صدر بش نے اپنی حالیہ سالانہ تقریر میں دنیا کے ساٹھ ممالک کو خبردار کیا ہے کہ وہ اپنے ہاں موجود دہشت گردوں کو نکال باہر کریں ورنہ ہمارا عسکری تعاقب جاری رہے گا اور ایسے ممالک کو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے غیض بیکراں کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ ان کی ساری گفتگو دراصل اپنی ان فتوحات ہی کا تذکرہ تھا جو انہوں نے افغان سرزمین پر حاصل کیں۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''دنیا میں ہزاروں دہشت گرد آزادانہ گھوم رہے ہیں۔ یہ لوگ متحرک بم ہیں جو کسی بھی وقت کسی بھی جگہ پھٹ سکتے ہیں اسلئے ان کا ہر جگہ تعاقب کیا جائے گا۔ شمالی کوریا، ایران اور عراق دہشت گردی کا محور ہیں۔ بعض حکومتیں دہشت گردی کے خلاف ہمارا ساتھ نہیں دے رہیں میں انہیں خبردار کرتا ہوں کہ اگر انہوں نے دہشت گردی کے خلاف کارروائی نہ کی تو امریکہ ان کے خلاف ایکشن لے گا۔ کم از کم ایک درجن ممالک میں یہ کیمپ موجود ہیں حماس، حزب اللہ، اسلامک جہاد، کالعدم جیش محمد کی صورت میں دور دراز جنگلوں صحراؤں اور بڑے شہروں میں ابھی تک یہ لوگ متحرک ہیں۔''

ان الفاظ کا گہری نظر سے جائزہ لینے سے محسوس ہوتا ہے کہ صدر امریکہ کے منہ سے نکلنے والے یہ کوئی خالی خولی الفاظ نہیں بلکہ کسی بھٹی میں دہکتے ہوئے انگارے ہیں۔ گیارہ ستمبر کے حادثے کے بعد پورے افغانستان کی تباہی اور اسلامی حکومت کے خاتمہ پر بھی وہ غضب کے دریائے ناپید کنارے میں غوطے لگا رہے ہیں۔ سوویت یونین کے ارتحال کے بعد وہ اپنے آپ کو واحد سپر پاور قرار دیتے ہیں۔ ان کی نامسعود خواہش ہے کہ دریافت شدہ دنیا امریکہ کی تابع مہمل ہو جائے۔ اپنی اس دیرینہ ناتمام آرزو کی تکمیل کیلئے وہ ایک خاص قسم کی جھلاہٹ کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔ اسی ناہنجار کیفیت کے زیر اثر بش سینئر نے اپنے دور صدارت میں عراق کو روند ڈالا تھا اب ان کے بیٹے بش جونیئر نے خونخوار بھیڑیے کے مانند افغانیوں کو بکری کا معصوم بچے سمجھ کر تاراج کیا جو باپ کے ساتھی ہی اب بھی بیٹے کی پیٹھ ٹھونک رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں ''ہم جنوں میں بکتے چلے جائیں اور ہمیں روکنے ٹوکنے کی جرأت کرنے والا کوئی نہ ہو۔ اس تقریر کو ابھی چند گھنٹے ہوئے تھے کہ عوامی جمہوریہ چین نے انگڑائی لی اور بش کا خوب محاکمہ کیا۔ حکومت چین کے ترجمان نے کڑی تنقید کرتے ہوئے اسے بین الاقوامی سفارتی آداب کے بالکل منافی قرار دیا، الفاظ کچھ یوں تھے:

''بین الاقوامی تعلقات میں صدر بش کا یہ بیان سفارتی آداب کے منافی ہے۔ چین ممالک کے درمیان

مساوات پر مبنی تعلقات کی حمایت کرتا ہے''

چینی حکومت کے اس ردعمل نے کمزور اقوام کی ڈھارس بندھائی ہے۔عراق اور کوریا نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا ہے۔دونوں حکومتوں نے دوٹوک اعلان کیا ہے کہ:

''امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے۔دیگر ممالک کی سالمیت کیلئے خطرات پیدا کرنا اس کا شیوہ ہے۔ہم ڈرنے اور جھکنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔امریکہ نے چھیڑ خانی کی تو بھرپور مقابلہ کریں گے''۔

ایران کے روحانی پیشوا نے بھی یش کی طرح پر خوب گرہ لگائی ہے جوان کے فطری محسوسات کا صحیح عکاس ہے۔انہوں نے امریکہ کو''شیطان کبیر'' کہہ کر اپنے عوام کو ایک بار پھر عظیم احتجاجی مظاہروں کیلئے پکارا۔اب وہاں ہر روز شہر شہر لاکھوں پیروجواں اکٹھا ہوکر''مرگ بر امریکہ''''مرگ بر اسرائیل'' کے فلک شگاف نعرے لگاتے ہیں۔یہ سلسلہ گردشِ لیل ونہار کے ساتھ ساتھ تادم تحریر جاری ہے۔روس نے افغان جنگ میں امریکہ کی مدد کر کے اپنی ہزیمت وخفت کا انتقام لیا۔اب صدر پوٹن نے اچانک پینترا بدلا ہے۔انہوں نے امریکی صدر کی تقریر پر شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:''کسی ایک ملک کو دنیا کے جھگڑے نمٹانے کا حق نہیں دیا جاسکتا۔عراقی حکومت کی افغان سائل میں تبدیلی کی کسی بھی کوشش کا ساتھ ہرگز نہیں دیا جائے گا''۔

حکومت جرمنی نے امریکی صدر کے نامعقول رویے پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔اپنے ملک کو راس قضیے سے الگ رکھتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:''بش جس راستے پر چل نکلے ہیں،بالآخر اس پر اکیلے ہی رہ جائیں گے''

تاریخ کا حافظہ کمزور نہیں ہوتا۔فرد یا قومی کارکردگی کو یہ اپنے کمپیوٹر میں محفوظ کر لیتی ہے،پھر موقع محل کی مناسبت سے اس راز کو افشاء بھی کر دیتی ہے جس فرد حکومت یا ریاست کبھی مفتخر ہوتی ہے تو کبھی شرمندگی کے بحرِ قلزم میں ڈوب ڈوب جاتی ہے۔روس،برطانیہ اور جرمنی کا رویہ ماضی قریب کی تاریخ کا سیاہ ترین باب ہے۔مگر یہ اقوام اس پر ندامت بار ہونے کی بجائے نازاں،شاداں کوفرحاں ہیں۔ابھی ورق نہیں الٹا کہ انہوں نے زبان بدل ڈالی ہے۔وہ امریکی بھیڑیوں کو مزید چیر پھاڑ سے باز رکھنے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔یہ حقیقت بھی اپنی جگہ ہے کہ یہود،ہنود ونصاریٰ کبھی بھی فرزندانِ توحید کے دوست اور بہی خواہ نہیں ہوسکتے۔اس طرح کے بیانات صرف سیاسی چال یا ڈپلومیسی کے سوا کچھ نہیں۔مثال مشہور ہے''ساون کے اندھے کو ہرا ہی ہرا نظر آتا ہے''ان ممالک کے بالکل حسب حال ہے۔امریکہ ہو یا برطانیہ،جرمنی ہو یا روس انہیں پوری بھری پڑی دنیا میں صرف بیچارے،ناکارے کرماں مارے مسلمان ہی دہشت گردی کرتے نظر آتے ہیں۔عجیب فلسفہ اور محیر العقول منطق ہے کہ بھان متی کے اس کنبے کو:

☆فلسطین میں یہودی دہشت گرد نظر نہیں آتی۔

☆ کشمیر میں بھارتی فوج وحشت وستم ظریفی کے مناظر دکھائی نہیں دیتے۔

☆ چیچنیا میں خود روسی کی غارت گردی، آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل کے مترادف ہے۔

☆ بوسنیائی مسلمانوں پر قیامت ڈھائی گئی مگر کسی آنکھ میں نمی نہیں تیری۔

☆ عراق میں لاکھوں بچے پابندیوں کی بھینٹ چڑھ گئے لیکن ان کے مردہ ضمیروں میں حرکت پیدا نہ ہوئی۔

اسے مسلم عوام کی بدبختی کہئے کہ ان پر ایسے حاکم مسلط ہیں جو نام کے مسلمان اور عملاً فرنگی ہیں۔ ہر معاملے میں وہ اپنے استعماری آقاؤں کی طرف دیکھتے، انہی کی اطاعت کرتے اور ہر آزمائش میں انہی کی مدد کی بھیک مانگتے ہیں۔ ان میں اتنا دم خم نہیں کہ کرمفرماؤں کی کسی مکروہ واردات پر ان سے ہلکا پھلکا احتجاج ہی کر سکیں۔ افغانستان میں نفاذ اسلام کے عمل اور اس کے ثمر آور اثرات کو ٹونی بلیئر نے تہذیب نو سے متصادم ٹھہرایا اور اس کے خلاف اور اس کے خلاف کارروائی کو تہذیب کی حفاظت کی جنگ قرار دیا۔ بش بھی بلیئر کی طرح ویٹی کن کا چیلا ہے۔ انہوں نے اپنی تراشیدۂ یہود لادین ،اباحیت پسند تہذیب کو ارفع واعلیٰ قرار دے کر طالبان کو بدترین مخلوق اور تہذیب دشمن کے القابات سے نوازا، گردن زدنی ٹھہرایا، پھر استبدادی پنجوں سے انہیں لہو میں نہلا دیا۔ برطانوی وزیر اعظم کی اس چابک دستی کو فوری طور پر کوئی نہ جان پایا۔ کسی نے اس نکتے پر غور ہی نہیں کیا تھا۔ بعد ازاں خرابی بسیار سمجھ آیا کہ اصلاً ان کی جنگ تہذیب اسلامی کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آئمہ کفر کرۂ ارض کے کسی کونے میں بھی نفاذ اسلام کا عمل قطعاً برداشت نہیں کر پاتے۔ ترکی میں فضیلت پارٹی اور الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کے انتخابات میں کلین سویپ انہیں جمہوریت کے منافی لگا اور دونوں ممالک کی افواج کے ذریعے انہیں کچل دیا گیا۔ حالانکہ جمہوری نظریہ کے تحت اکثریت کے فیصلوں کو قبول کرنا چاہیے تھا مگر ان مسلم ممالک میں ایسا نہیں ہونے دیا گیا۔

وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان میں بھی گزشتہ چون سالوں سے یہی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ انتخابات کے ذریعے جو حکومتیں وجود پذیر ہوئیں۔ وہ بالواسطہ طور پر استعمار کی پروردہ ہوتیں تھیں۔ جب کبھی کسی منتخب صدر یا وزیر اعظم نے کئی بات ماننے میں سرمو تامل کیا، اس پر فوج نے بہ لطائف الحیل چڑھائی کر دی اور چیف آف آرمی سٹاف نے صدر مملکت کا عہدہ بھی سنبھال لیا۔ اگر کبھی کسی وقت ان کے ضمیر نے کچوکے دیئے اور کوئی حکم بجالانے میں سرتابی کی، اس کے خلاف عوام میں سے فرنٹمینوں کو خرید کر زبردست تحریک برائے بحالی جمہوریت چلوادی یا کسی حادثے میں اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ اب کی بار کچھ مختلف انداز سے ملتِ پاکستان کو چاروں شانے چت کر دیا گیا۔ کارگل میں ڈرامہ کر کے وزیر اعظم اور آرمی چیف میں اختلاف پیدا کیا پھر آرمی چیف کو بتدریج ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا گیا۔ بل کلنٹن بطور صدر امریکہ انہیں یہ اصرار جمہوریت بحال کرنے کا کہتے رہے حتیٰ کہ وقت ملاقات بھی ان میں کھچاؤ کی کیفیت برقرار رہی

اور مسٹر بل آنکھیں دکھاتے اپنے دیس چلا ئیے، بش نے اسی آمر کو آنکھ کا تارا بنا دیا ہے۔ خیر سے اب تو ہمارا میڈیا بڑے طمطراق سے سناتا ہے کہ ہمارے صدر بین الاقوامی اتحاد کی آنکھوں کا سرور ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ صدر محترم نے بھی ترکی و الجزائر کی افواج کی اتباع میں ننانوے فیصد عوام کی قومی رائے کو فوجی بوٹ سے رگڑ کر مسلم کشی کے ''عظیم الشان'' کام میں انٹرنیشنل بڑوں کا ہاتھ بٹایا تھا۔ وہ جو آثار صحابہؓ کو سینوں سے لگائے پھرتے تھے۔ جو اپنے ہاں اسلامی نظام کے نفاذ سے امت مسلمہ کو عظمت رفتہ کی یاد دلانا چاہ رہے تھے۔ جنہوں نے بارود کے ہمالیہ افغانستان میں امن وسکون کی فضا قائم کی۔ اس دور میں اکیسویں صدر کی دہلیز پر کھڑے ہو کر وہ دنیا کو بتا رہے تھے کہ ہم نے جرائم سے پاک معاشرے کی بنیاد رکھ دی ہے۔ امریکی و یورپی یونین کو ان معصوم لوگوں کی یہ ادائے دلبرانہ، صدائے قلندرانہ اور جلال سکندرانہ پسند نہ آیا۔ وہ صلیب بلند کرتے ہوئے ان پر ٹوٹ پڑے۔ عذاب ناک بات تو یہ ہوئی کہ صلیب و ہلال کے اس معرکے کو دہشت گردی کے خلاف امن پرستوں کی جنگ کا نام دے کر مسلمان حکمرانوں سے یہ جبر وا کراہ اس کی تائید کرائی گئی۔ ہمارے صدر ذی وقار بھی اپنی مؤیدین میں تزک واحتشام شامل تھے اور ہیں۔ اب بھی ان کی اور ان کے رفقائے کار کی زبانوں سے طالبان کیلئے کلمہ خیر نہیں نکلتا۔

تاریخ نے اپنی یادداشت پوری قوت سے اگل دی۔ برصغیر میں انگریز کے خلاف پرچم بغاوت بلند کرنے والے مجاہدین آزادی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی زیر قیادت آخری جنگ جاری رکھے ہوئے تھے۔ وطن عزیز کے طول و عرض میں ان کے مدارس اور مختلف ادارے دینی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ افغانستان کے طالبان بھی انہی عظیم المرتبت اسلاف کی صدائے بازگشت تھے۔ وہ اپنے آزاد ملک میں دین اسلام کی عملداری قائم کرنے میں منہمک تھے۔ پاکستان کے زندہ دل لوگ اپنے دینی قائدین کے اتباع میں ان کے معاون وخیر خواہ تھے۔ ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ سلطنت افرنگ نے حضرت شیخ الہندؒ کو دہشت گرد قرار دے کر عبور دریائے شور کی سزا دی تھی۔ اب پاکستان میں ان کے نام لیواؤں اور ان کا پرچم حریت بلند کرنے والوں ہی کو دہشت گرد قرار دے کر ان پر پابندیاں لگا دی گئی ہیں۔ سوال یہ ہے ہم کس کو خوش کر رہے ہیں؟ کلنٹن نے آج کل ایک مہم شروع کر رکھی ہے کہ مسلمان ممالک اپنے مدارس دینیہ کا نصاب تبدیل کرائیں کہ اس میں عقیدے پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ ہمارے صدر نے اسی زبان میں نیا نصاب مرتب کرنے کا حکم بھی دیا تھا جس کے تحت وہ تیار کر کے شائع کرا دیا گیا۔ کیا اس طرح چشمۂ ہائے حریت ابلنا بند ہو جائیں گے؟ ہم کب سوچیں گے؟

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے دل جلا کے سر عام رکھ دیا

ملا معاویہ حنفی

جدید فکری مغالطے

پروفیسر حسن عسکری ایک جدید تعلیم یافتہ آدمی تھے، جدید وقدیم مذاہب اور مغرب کے فکری رجحانات کا مطالعہ ان کا اختصاص رہا، اردو ادب کے بلند پایہ نقاد تھے۔ ایک عرصہ انکارِ خدا کی پرخار وادیوں میں بھٹکتے رہے بالآخر اللہ پاک نے توبہ کی توفیق دی اور حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کے دامن سے وابستہ ہو گئے۔ بعدازاں ''معارف القرآن'' کے انگریزی ترجمے کیلئے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے ساتھ معاونت کی۔ عسکری صاحب نے زندگی کے نئے دور میں آنے کے بعد خصوصیت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مواعظ اور کتب کا مطالعہ کیا اور بہت سے سوالوں کا شافی جواب پایا۔ چونکہ مغربی فکر وفلسفہ کا گہری نگاہ سے مطالعہ کیا تھا اور جدید علم کلام سے پوری طرح واقف تھے اس لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی کتب کے مطالعے سے ان پر مغرب کی فکری گمراہیاں آشکار ہوتی چلی گئیں، اس کے علاوہ ایک نو مسلم مفکر ''رینے گیئوں'' جس کا اسلامی نام عبدالواحد یحییٰ تھا اور اس نے خود مغربی فکر کی گمراہیاں علیحدہ سے بیان کی تھیں، کی کتب ومقالات کا مطالعہ بھی کیا۔ چونکہ مغرب کے فاسد تصورات کو ہمارے پڑھے لکھے طبقے میں دانستہ ونادانستہ طور پر قبول عام حاصل ہے اور جب کبھی وہ تحریر لکھتے ہیں تو ان کے سامنے یہی مغربی تصورات ہوتے ہیں اور انہی کی مدد سے وہ دین اور اہل دین پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ انگلیوں پر گنے جانے والے وہ علماء دین جو مغربی فکر وفلسفہ کو بخوبی جانتے ہیں کو چھوڑ کر باقی علماء جنہیں مغرب کی علمی تحریکوں کے مطالعے کا وقت نہیں ملا۔ ان کیلئے حسن عسکری نے ''جدیدیت'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ غالباً یہ کتاب انہوں نے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کیلئے لکھی کہ وہ اس کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے طلبہ کو ایک کورس کروائیں تاکہ دینی مدارس کے طلبہ مغرب کی گمراہ کن فکری تحریکوں سے آگاہ ہو سکیں۔ شاید ایسا نہیں ہو سکا، بہرحال یہ کتاب قابل مطالعہ ہے، ایسے طلباء جو فلسفہ اور جدید علم کلام کے مطالعے کا ذوق رکھتے ہیں وہ اگر اپنے اساتذہ کی رہنمائی میں اس کتاب کا مطالعہ کر لیں تو مفید ہوگا۔

عسکری صاحب نے اس کتاب کے آخر میں نمبردار مغرب کی ان فکری گمراہیوں کو گنوایا ہے جو ہمارے ہاں رواج پا گئیں بلکہ مضبوطی سے جڑ پکڑ چکی ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنے کی ہے کہ سقوطِ امارت اسلامیہ افغانستان کے بعد خود کو دینی رہنما کہلوانے والے حضرات بھی بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کا شکار نظر آتے ہیں، حسن عسکری نے جو مغربی گمراہیاں گنوائی ہیں ان میں چیدہ چیدہ حسب ذیل ہیں۔

(نوٹ: بین القوسین توضیحات راقم کی طرف سے ہیں)

☆ یہ سمجھنا کہ عقائد میں وقتاً فوقتاً تبدیلی آتی رہتی ہے۔

☆ عقیدے کو محض جذباتی سمجھنا اور عقیدے کو منجمد جذبہ کہنا۔

☆ دینی احکام کی عقلی مصلحتیں ڈھونڈنا۔

☆ مذہب پر ذہنی اور مادی جمود کا الزام لگانا۔

☆ فقہ کے احکام کو انسانی قوانین کہنا۔

(ہمارے بیش تر کالم نگار بڑے تسلسل کے ساتھ اس بات کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں کہ فقہی آئمہ نے بادشاہوں اور امراء وخلفاء کی خوشنودی کیلئے فقہی مسائل گھڑے اور ان کی مرضی کے مطابق مسائل کی تشریح کی۔ وہ قوانین جنہیں ''اسلامی قوانین'' کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں ان کے اپنے بنائے ہوئے قوانین ہیں۔ قرآن وحدیث سے ان کا کوئی تعلق نہیں، انگریزی میں لکھنے والوں کے خیالات تقریباً یہی ہوتے ہیں۔ بعد ازاں انہی کالموں کا ترجمہ اردو اخبارات میں بھی ایک خاص زاویہ نگار سے شائع کیا جاتا ہے۔)

☆ یہ دعویٰ کرنا کہ دین ''سیدھی سادی'' چیز ہے اور علماء نے اسے پیچیدہ بنا دیا ہے۔

☆ دین میں تحریف کرنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ ہم اصلی دین کو زندہ کر رہے ہیں۔

(مثلاً علماء کا متفقہ فتویٰ ہے کہ تصویر حرام ہے مگر بہت سے لوگ اور دینی قیادت کے دعوے دار مصر کے اباحیت پسند علماء کی پیروی کہتے ہیں کہ موجودہ دور میں تصویر کے بغیر چارہ نہیں۔ جب انہوں نے تصویر کو جائز قرار دے لیا تو پھر ٹی وی، وی سی آر اور ڈش سب جائز ہو گیا، پس اس میں ذرا سی بیخ یہ لگائی جاتی ہے کہ جو چیز آپ کیلئے عمومی حالت میں دیکھنا شرعاً جائز ہے وہ ٹی وی میں بھی دیکھنا جائز ہے۔ مرد کی متحرک تصویر کو ایک مرد دیکھ سکتا ہے، بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ٹی وی کے ذریعے اسلامی معاشرے کو بہتر انداز میں دکھایا جا سکتا ہے۔ اس لئے علماء کو چاہیے کہ اس کے جواز کا فتویٰ دیں وغیرہ)

☆ یہ دعویٰ کرنا کہ شریعت موجودہ زمانے میں کام نہیں دے سکتی۔

☆ دین کو جدید بنانے کی کوشش، یہاں تک عقائد کو بھی۔

☆ جدت برائے جدت اور تبدیلی کا شوق، دین کی نئی تفسیریں کرنا محض اس لئے کہ کوئی نئی بات پیدا کی جائے۔

(یہ بھی بہت عام بات ہو چکی ہے کہ ''جدت'' کا لفظ ہمارے خیالات میں اس قدر رچ بس چکا ہے کہ ڈھالا جائے تاکہ مغرب کیلئے اور وہ لوگ جو مغرب سے متاثر ہیں، ان کیلئے قابل قبول ہو سکے۔ لاہور میں ایک صاحب ہیں، علمیت کا انہیں دعویٰ ہے، ننگے سر بیٹھ کر درس قرآن دیتے ہیں یا زیادہ احترام دامن گیر ہو تو ناک پونچھنے والے رومال سے سر کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ قارئین نے ایسے دستی رومال خاص ہیئت سے سر پر باندھ کر اکثر بابو لوگوں کو دیکھا ہوگا۔ ان کے سامنے

پہلی رو میں بے پردہ فیشن ایبل خواتین باصد عشوہ و ناز بیٹھتی ہیں اور درس قرآن کی سماعت کرتی ہیں، باقی سامعین بھی یوں تشریف فرما ہوتے ہیں کہ وہ درس قرآن سننے کیلئے نہیں بلکہ ''نوم چومسکی'' کا ہنگامہ خیز لیکچر سننے کیلئے آئے ہیں۔ قرآن مجید کا احترام، درس قرآن کی مجلس کے آداب، قرآن سے ہدایت حاصل کرنے اور رہنمائی لینے کا جذبہ سب مفقود ہوتے ہیں۔ ابھی حال ہی میں لاہور میں ایک ماڈل مسجد بنانے کا اعلان کیا گیا، بتایا گیا ہے کہ مسجد سے متصل جوگنگ ٹریک ہوگا، خواتین کی علیحدہ گیلری ہوگی، انٹرنیٹ کلب بنایا جائے گا، کیرم کلب بھی ہوگا۔ ملک کو ماڈرن اسلامی ملک بنانے والوں نے خانۂ خدا سے اپنی دین مخالف سرگرمیوں کا آغاز کیا ہے، جب اس قسم کی سہولتیں مسجدوں کے ساتھ فراہم کی جائیں گی تو مسجد میں آنے والے نمازیوں میں نیکی وتقویٰ کی مطلوب اصل روح کہاں ہوگی؟ مسجد میں آتے ہوئے ضروری ہے کہ انسان کا دل اور دماغ یاد الٰہی میں محو ہو، اسے اپنے گناہوں پر ندامت ہو اور وہ سر جھکائے عاجزی وانکساری کے ساتھ مسجد میں داخل ہو، مگر جب نمازی کیلئے زیر سایہ مسجد ایسی خرافات مہیا ہوں گی تو وہ ان سے نمٹتا ہوا مسجد میں داخل ہوگا، تب نماز نماز نہیں رہے گی، عیسائیوں کی ہفتہ وار ''سروس'' ہو جائے گی۔)

☆ ''جدیدیت'' الفاظ کے جادو سے کام لیتی ہے اور لوگوں کے ذہنوں کو مسحور کر کے سوچنے سمجھنے کی طاقت کو معطل کر دیتی ہے۔ چنانچہ کسی چیز کی تحسین کیلئے اسے جدید یا سائنٹیفک کہہ دینا کافی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح کے الفاظ ہیں ''آزادی، انسانی مسرت، خوشحالی، زندگی کا معیار بلند کرنا، روزمرہ کی زندگی، عام آدمی'' (یہ الفاظ دین مخالف تحریریں لکھنے والوں کے ہاں اکثر وبیشتر نظر آتے ہیں، ظاہر تحریریں لکھنے والوں کے ہاں اکثر وبیشتر نظر آتے ہیں۔ ظاہر یہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ وہ انسانیت کا کتنا گہرا درد رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ نہیں ہوتی۔)

☆ انسان کی مادی خوش حالی کو معیار بنانا، قناعت سے انکار کرنا۔ (جیسا کہ صدر پاکستان نے اپنے تاریخی تقریر میں ''ترقی اور خوش حالی'' پر زور دیا ہے اور کہا ہے کہ ''ہمیں ایک باعزت اور ترقی یافتہ قوم کے طور پر عالمی برادری کے ساتھ کھڑا ہونا چاہیے'')

☆ عمرانیات اور اجتماعیات کی رو سے دین کا مطالعہ، مذہب کو بھی ایک عمرانی ادارہ سمجھنا اور مذہب کو رسم ورواج کی سطح پر پرکھنا۔

☆ یورپ اور ''تہذیب'' کو مترادف سمجھنا اور مغربی تہذیب کو معیار بنانا، اسی معیار سے دین کو جانچنا۔

☆ عقائد، شرعی احکام اور عبادات کو نسلی، جغرافیائی یا تاریخی اثرات کے ماتحت رکھنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ یہ تصورات ایک خاص مقام اور ایک خاص وقت میں خارجی اثرات کے ماتحت پیدا ہوئے تھے اور صرف انہی حالات سے مناسبت رکھتے ہیں۔

(چنانچہ یہ بات بھی بڑے شدومد کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ اسلامی احکام چودہ سو سال قبل کے ماحول میں درست تھے مگر اب چونکہ دنیا ترقی کر چکی ہے اور لوگ تہذیب یافتہ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان فرسودہ قوانین کو چھوڑ دینا چاہیے۔ اسلام نے چور، ڈاکو اور زانی کی جو سزائیں مقرر کی ہیں انہیں وحشیانہ اور انسانیت کے خلاف کہہ کر احکام الٰہی کا کھلا مذاق اڑایا جاتا ہے

،اور لوگ بھی ہیں جو اس طرح مذاق تو نہیں اڑاتے مگر یہ کہتے ہیں کہ ان سزاؤں کے رائج کرنے سے نسل انسانی پر برا اثر پڑتا ہے، علماء کو اس سلسلے میں ''غور وفکر'' سے کام لے کر نئی راہ نکالنی چاہیے۔)

☆ ''انفرادیت پرستی'' کا زور ہر فرد کو دین کے معاملے میں رائے دینے کا حق دار سمجھنا اور استعداد کے سوال کو نا قابل توجہ خیال کرنا، جمہوریت اور مساوات کے معاملے میں غلو اور اسی کے ماتحت تفسیر بالرائے کا حق مانگا جاتا ہے۔

(جمہوریت یا مساوات کا معاملہ بھی عجیب ہے، جمہوریت ہر کس وناکس کو ہر معاملے میں رائے زنی کا حق دیتی ہے جو سراسر اسلامی، شرعی اور فطری اصول کے خلاف ہے، اسی جمہوری اصول کے تحت لوگ دین پر اعتراضات یا اعتراض نما سوال کرتے ہیں، خود کو ''دانش ور'' کہلوانے والے اس بات کا بھی بہت چرچا کرتے ہیں کہ دینی مسائل کی تشریح وتوضیح اور اجتہاد کا حق صرف ''منتخب پارلیمنٹ'' کو ہونا چاہیے، اس طرح وہ دینی احکام میں ترمیم وتنسیخ کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں، منتخب پارلیمنٹ میں کون لوگ ہوتے ہیں؟ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔)

یہ اور اسی طرح کی بیش تر گمراہیاں اور مغربی تصورات ہمارے ہاں رواج عام پا گئے ہیں، بظاہر یہ تصورات بہت سادہ معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے ضمن میں موجودہ زہر کو ڈھونڈ نکالنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ بہت سے مغربی تصورات تو ایسے ہی جن کا بعض دین دار سمجھے جانے والے لوگ بھی بظاہر یا باطن سہارا لیتے ہیں۔ حال ہی میں ہمارے ملک کی ایک دینی جماعت کے سربراہ نے طالبان کے حوالے سے اپنا ایک مضمون لکھا اور برملا کہا کہ وہ عورتوں کی تعلیم، برقع اور ٹی وی پر پابندی لگا کر طالبان نے مغرب کو خوش گوار پیغام نہیں دیا'' اسی طرح انہوں نے حجاب اور داڑھی پر سختی کے متعلق رائے زنی کرتے ہوئے کہا کہ ''انہیں کبھی بھی اسلام کے اجتماعی نظام ترجیحات میں سب سے بلند و بالا مقام حاصل نہیں رہا، طالبان نے عورتوں کی تعلیم پر قدغن لگا کر مغربی ذرائع ابلاغ کو اپنے خلاف پروپیگنڈا کا موقع فراہم کیا۔'' انہیں اس بات کا بھی قلق ہے کہ طالبان نے آتے ہی ڈاکوؤں کو سولی پر کیوں لٹکا دیا جبکہ وہ درجنوں افراد کے قاتل تھے۔

قارئین! اوپر دیئے گئے خیالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک اسلامی تحریکوں اور دینی جماعتوں کو ایسے امور سے باز رہنا چاہیے، جن کی وجہ سے مغرب کو پروپیگنڈے کا موقع مل سکے، کوشش کرنی چاہیے کہ دین پر اس طرح عمل کیا جائے کہ مغرب نہ صرف یہ کہ اس کے خلاف پروپیگنڈے کا موقع نہ کر سکے بلکہ اسے قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔ چنانچہ شرعی قوانین میں تبدیلی یا نرمی (دین میں تحریف) کر کے لیبلی ویژن کو جائز قرار دینا چاہیے، خواتین کی تعلیم رائج ہونی چاہیے، داڑھی رکھنے اور حجاب کرنے کے لئے سختی کا برتاؤ نہیں کرنا چاہیے، حالانکہ منکرات سے نفرت اور داڑھی رکھنا ،حجاب کرنا ہی اسلامی معاشرے کا اصل حسن اور لازمی حصہ ہے۔ یہ تو یوں ہی چلتے چلتے ایک مثال سامنے آ گئی ورنہ ہمارے اردگرد ماحول میں ہزاروں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ بہت سے لوگ کسی صریح حرام کے جائز ہونے کا زبان سے اقرار نہیں کرتے مگر ان کا عمل شرعی حکم سے ہٹ کر ہوتا ہے جسے کہ عام لوگ اپنے لئے وجہ جواز بناتے ہیں۔

ہمارے ہاں ایک اور بہت بڑا مغالطہ پایا جاتا ہے کہ ''اسلام جمہوریت کا سب سے بڑا علمبردار ہے'' حالانکہ دونوں مختلف عقیدہ ونظریہ ہیں، دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اسلام مساوات کا قائل ہے اور جمہوریت سراسر مساوات ہے۔ لہٰذا اسلام جمہوری نظام ہے (نعوذ باللہ من ذالک) یہ ایک ایسا موضوع ہے جو سیر حاصل گفتگو چاہتا ہے اسے پھر کسی وقت پر اٹھار کھتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض ''اہل علم'' کہتے ہیں کہ اسلام میں حکومتی طریق کار کے بارے میں واضح احکام اور ہدایات نہیں ہیں۔ خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کیلئے مغربی نظام کو اپنا لیتے ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام میں کوئی دستوری ڈھانچہ نہیں، چنانچہ ہر ''صاحب فکر'' آدمی ذاتی مطالعے کی روشنی میں اسلامی نظم مملکت کے متعلق توضیح وتشریح کرنے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ جس آدمی نے سوشل ازم کا مطالعہ کیا ہو وہ کہتا ہے کہ اس کا نظام معیشت ہو بہو اسلامی نظام معیشت ہے، جس نے ڈیموکریسی (جمہوریت) کا مطالعہ کیا ہو وہ کہتا ہے کہ یہ نظام بعینہ اسلام ہے، یہی وجہ ہے کہ ماضی میں اسلامی سوشل ازم، اسلامی جمہوریت وغیرہ کے نعرے موجود رہے، روس کے بکھر جانے سے اسلامی سوشل ازم کا نعرہ تو مکمل طور پر دب گیا مگر ''اسلامی جمہوریت'' کی پھانس ابھی بھی مضبوطی سے بہت سے لوگوں کے حلق میں اٹکی ہوئی ہے۔ یہ سب فکری مغالطے ہیں جنہیں پھیلانے میں غیر ملکی این جی اوز دین کی راہ سے ہٹے ہوئے مختلف فکری طبقات اور ہمارا ماڈرن معاشرہ پیش پیش ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اسلام نہ سوشلسٹ ہے اور نہ ہی جمہوری، ایسی بات ہوتی تو طالبان نے افغانستان میں جو اسلام نافذ کیا تھا اس کے ساتھ ضرور ایسا لاحقہ یا سابقہ لگایا جاتا، امارت اسلامی افغانستان کے متعلق کبھی بھی کسی نے نہیں کہا کہ یہ جمہوری امارت ہے، یہ بات اپنی جگہ حقیقت ہے کہ انہوں نے خالص اسلامی نظام نافذ کیا تھا۔ الیکشن، انتخابات، پارلیمنٹ اور اسمبلی خالص جمہوری اصطلاحات ہیں، طالبان اگر ان میں سے کسی چیز کو بھی اسلام یا اسلام سے قریب تر سمجھتے تو اپنے نظم میں ضرور جگہ دیتے۔ امریکہ اور یورپ کی طرف سے طالبان پر دباؤ رہا کہ وہ اپنے ملک میں انتخابات کرائیں اور اسے ایک جمہوری ملک بنائیں، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جمہوریت کے اصل علمبردار یہود ونصاریٰ ہیں، مگر ہمارے ہاں جمہوریت کو بھی اسلام ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اس تحریر کا اصل مقصد تو یہ تھا کہ ہمارے علماء اور طلبا کو جدید علم کلام اور جدید فکری رجحانات کا بھی مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ مغرب کس بات کو کس انداز میں کہہ رہا ہے اور کون لوگ ہمارے ہاں اس بات کی ترویج واشاعت کر رہے ہیں، نیز اس بات کا اندازہ ہو سکے کہ ہمارے عقائد، نظریات، ہمارے دینی معاشرتی اور اجتماعی نظام میں کہاں کہاں نقب لگائی گئی ہے۔ ''جدیدیت'' آج سے قریباً چوبیس پچیس برس قبل شائع ہوئی تھی، اس میں ذکر کردہ فکری مغالطے نہ صرف جوں کے توں موجود ہیں بلکہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ شدت آ گئی ہے۔ ایسی کتابوں کا مطالعہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اپنے چند اساتذہ کرام کی رہنمائی ضرور حاصل رہے ورنہ ادھر اُدھر بھٹکنے کے خدشات بھی موجود رہتے ہیں۔

محمد عابد مسعود ڈوگر

یہودی سازشیں اور امتِ مسلمہ

''یہود'' نام سنتے ہی ذہن میں شرارت، فساد اور اس جیسے الفاظ گردش کرنے لگتے ہیں۔ تاریخ اس بات کی خبر دیتی ہے کہ زمین جب بھی شر، فساد اور بدامنی کا شکار ہوئی، یہود کی وجہ سے ہی ہوئی، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ہرے بھرے جنگلات کو آگ دکھا کے دور کھڑا اس تباہی کا خوشی سے نظارہ کرتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ جنگل ایک قدرتی سبب ہیں، زمین پر بارانِ رحمت کے نزول کا۔ اس ایک شخص کی شرارت کی وجہ سے پورا علاقہ خشک سالی، قحط اور نہ جانے کن کن آفات کا شکار ہو جاتا ہے۔

یہ راندۂ درگاہ قوم جہاں بھی گئی وہ خطہ جلد یا بدیر ضرور بدامنی کا شکار ہوا، اس میں مسلم غیر مسلم کی ہرگز کوئی تفریق نہیں ہے۔ انہوں نے جہاں ڈیرے ڈالے وہ علاقہ طرح طرح کی ''سوغات'' سے بھر گیا۔ قریب قریب اس کی بڑی مثال جرمنی ہے، جہاں انہوں نے اپنی خباثتوں کے ایسے جال بچھائے کہ بالآخر آنجہانی ہٹلر کو انہیں اجتماعی طور پر قتل کرنا پڑا جو بچ گئے ان کو جوتے چھوڑ کر وہاں سے بھاگنا پڑا۔ آج بھی واشنگٹن ڈی سی میں موجود عجائب گھر میں ان کی ہٹلر کی صفائی مہم سے متعلقہ باقیات دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان کی انہی شرارتوں کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک قانون مقرر کر دیا ہے کہ قیامت تک وقفے وقفے سے ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کیا جاتا رہے گا جو انہیں ان کی خباثتوں کی بنیاد پر بڑا عذاب دیتے رہیں گے۔ اس خدائی وعدے کی ہمیں تاریخ میں دو بڑی مثالیں ملتی ہیں۔ پہلی مثال سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے، آپؓ نے جب اپنی خلافت کے شاندار دور میں اسلامی ریاست کی حدود بڑھائیں اور دنیا کے تقریباً نصف سے زائد حصے پر خلافت قائم ہوئی تو یہودیوں نے سازشوں کے جال بننا شروع کر دیئے، اسلامی ریاست کو اندرونی و بیرونی طور پر خلفشار کا شکار بنانے لگے تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خداداد سیاسی بصیرت سے ان کے وجود سے اسلامی ریاست کو صاف کرنے کے پروگرام پر عمل شروع کیا اور دنیا بھر ان سازشیوں کا سر کچل دیا گیا۔ دوسری مثال ہٹلر کی ہے، جس نے مختلف طریقوں سے اجتماعی طور پر ان فسادیوں کو قتل کیا اور ان کے وجود پر ایسے زخم لگائے کہ جنہیں آج تک یہودی چاٹتے پھرتے ہیں۔

یہودی جہاں بھی ٹھہرے خلق خدا کا جینا محال کر دیا۔ آپ دیکھیں کہ گزشتہ تقریباً ۵۳ برسوں سے یہ فلسطین کی زمین پر عیسائیوں کی حمایت سے قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور دنیا کے کونے کونے سے یہودی اس خطے میں آ کر جبراً آباد

ہورہے ہیں۔ وہ فلسطینی جو صدیوں سے وہاں مقیم تھے، انہیں یہودیوں نے گھر سے بے گھر کردیا ہے، فلسطینی مسلمانوں کی چوتھی نسل اردگرد کے ممالک میں قائم مہاجر بستیوں میں رہ رہی ہے، جس طرح ان مظلوموں پر یہودیوں نے زمین تنگ کررکھی ہے وہ ساری دنیا کے سامنے ہے۔ ظلم و بربریت کا وہ کونسا حربہ ہے جو ان نہتے مجبوروں پر آزمایا نہیں گیا؟ انسانی حقوق سے محروم یہ انسان انسانیت کا پرچار کرنے والی مہذب دنیا کیلئے سوالیہ نشان ہیں، ظلم کی چکی میں بری طرح پسنے والا فلسطینی انسان پتھر کے دور سے بھی بری زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ ساری دنیا کا کفر اس درندہ صفت قوم کے مظالم پر نہ صرف خاموش ہے بلکہ اندر کھاتے اور ظلم کا معاون بھی ہے۔ غیروں سے کیا گلہ اپنوں نے بھی اس بارے میں گونگے شیطان کا کردار اپنا رکھا ہے، یہ سارا کچھ اس خطے کے دولت مند حکمرانوں اور عوام کی عیاشیوں کا کیا دھرا ہے۔ اگر وہ ذمہ داری کا ثبوت دیں اور دیوسیت کو ترک کردیں تو فلسطین کا مسئلہ چند دنوں میں حل ہوسکتا ہے۔ نجانے کب ہمیں ہوش آئے گا اور ہم اپنے جسم کے اس حصے کی تکلیف کا احساس کرپائیں گے۔

گزشتہ دنوں امت کی اس بے حسی پر اسرائیل کے وزیراعظم نے ہمارے منہ پر ایک زوردار تھپڑ رسید کیا ہے۔ ہم اس کے بیان کا متن یہاں درج کرتے ہیں، اس امید کے ساتھ کہ شاید امت جاگ جائے اور اپنے نقصان کی تلافی کیلئے تیار ہوجائے۔

''یہودی آج بھی اللہ کی پیاری مخلوق ہے اور اس نے یہودیوں کو دنیا کی ہر نعمت سے نواز رکھا ہے اور آج یہودی دنیا میں پہلے کی طرح اپنے قدم جمارہے ہیں۔ یہودی ایک متحد قوم ہے اور اپنے مذہب کے تحفظ کیلئے تیار ہے۔ لیکن آج مسلمانوں کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور وہ متحد نہیں ہوسکتے۔ اب بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کو آزاد کرانا، ان کے بس میں نہیں کیونکہ اب ان میں (حضرت) عمرؓ اور صلاح الدین ایوبیؒ والا جذبہ نہیں رہا۔ وہ اپنے فروعی مسائل میں الجھے ہوئے ہیں اور عیاشی میں بری طرح پھنس چکے ہیں۔ اب مسلمان عیاشی کا سمبل بن چکے ہیں جب تک یہ عیاشیوں میں ڈوبے رہیں گے ہمارے مفادات کا تحفظ خود بخود ہوتا رہے گا۔ فلسطینیوں کو اگر رہنا ہے تو ہمارے تابع ہوکر رہنا پڑے گا ورنہ ان کو سختی سے کچل دیا جائے گا، ہمارے شہریوں کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ آئندہ انہیں ہر قسم کا تحفظ فراہم کریں گے۔ فلسطینیوں کی دہشت گردی کو کچلنا ہمارا نصب العین ہے۔ یہودیوں کو آباد کرنے کیلئے اسرائیل میں مزید نئے شہر تعمیر کئے جائیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا کے ہر ملک میں یہودیوں کی بستیاں اور ٹاؤنز تعمیر کئے جائیں گے، ان کی تعمیر و ترقی کیلئے فنڈز اسرائیل سے جاری کئے جائیں گے۔ بھارت سے ہمارا رشتہ بہت پختہ ہے وہاں یہودیوں کو مضبوط کرنے کیلئے بھارت سے مزید معاہدے کریں گے''۔

مسٹر ایریل شیرون نے ہماری کمزوریوں کی کس طرح نشاندہی کرکے اپنے خوفناک منصوبوں کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو قوم چند لاکھ سے زیادہ نہیں وہ پوری دنیا میں دھڑلے سے آباد ہونے کے منصوبے بنارہی ہے، ہائے افسوس! کہ ہم

نے فاروق وایوبی کے طرز زندگی کو فراموش کر دیا۔ جو قوم عزت والے بڑوں کا راستہ ترک کر دے اور اغیار کے نقوش اقدام میں فلاح ڈھونڈ لے اسے عزت کیونکر مل سکتی ہے۔ اس سارے بیان کو ہم اپنے منہ پر ایک زوردار تھپڑ کے سوا کیا نام دے سکتے ہیں؟ اب تو ہوش آ جانا چاہیے اور آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔ اگر آج بھی ہم غفلت کی نیند سوتے رہے اور ان خوفناک منصوبوں سے صرف نظر کرتے رہے تو وہ وقت دور نہیں جب آج سے کہیں بھاری ذلت کا طوق ہماری گردنوں میں ہوگا۔ امت کو چاہیے کہ باہمی اختلافات کو اس نازل گھڑی میں فراموش کر دے اور آپس میں ربط وضبط پیدا کرے اور ہر مسلمان اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے ہوئے جو کچھ اس سے بن پڑے کر گزرے۔ مثلاً دین سے اپنا تعلق مضبوط کرے اور یہودی اقتصادیات کا بائیکاٹ اور دوسرے ذرائع سے کمزور کرنے کی کوشش کرے، عرب ممالک کو چاہیے کہ اسرائیل اور اس کے ساتھی بھارت سے تمام کاروباری روابط فوراً ختم کریں۔ پاکستان اوّل دن سے یہودیوں کے نشانے پر ہے۔ ہمارے پڑوسی سے اس کے خطرناک تعلقات کا ہر طرح سے احساس پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

تحریک حریت کشمیر کو کچلنے کیلئے ہنود و یہود گٹھ جوڑ کسی سے پوشیدہ نہیں، ہم اپنے پڑوس میں اس کے بڑھتے ہوئے تعلقات کو وطن عزیز کی سلامتی کیلئے بہت بڑا خطرہ خیال کرتے ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری قوم آج اس خطرے سے خبردار ہو جائے اور آنے والے مشکل وقت کیلئے تیار ہو جائے۔ پاکستان کا نظریاتی تشخص خراب کرنے والوں سے گزارش ہے کہ اس ملک کا وجود اسلام کا ہی مرہون منت ہے۔ اگر اس کی بنیادوں سے اسلام کو نکالنے کی کوشش کی گئی تو پوری عمارت دھڑام سے نیچے آ گرے گی۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ جس مقصد کیلئے ہم نے یہ علیحدہ ملک بنایا تھا آج وہ وعدہ پورا کر دیا جائے۔ صرف یہی ایک صورت ہے جو ہمیں تباہی سے بچا سکتی ہے۔ اگر ہم نے ہوش نہ کیا اور غفلت کی نیند سوتے رہے تو آنے والا کل ہمارے لئے بڑا ہی کڑا ثابت ہوگا۔ غیر کبھی ہمارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان کو خوش کرنے کیلئے اپنوں کے بارے میں ہم نے جو رویہ اختیار کر رکھا ہے اسے ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ ذیل میں ہم مشہور یہودی رہنما اور اسرائیل کے سابق وزیراعظم ''بن گورین'' کی ایک تقریر کا اقتباس ذکر کرتے ہیں۔ اسے پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ یہودی اور نیٹے کا اتحاد ہمارے لئے کیا گل کھلائے گا۔ اگر آج ہم نے سستی نہ چھوڑی اور اپنے آپ کو ہم نے متحد نہ کیا تو آنے والے وقت میں ہمارے لئے سوائے رسوائی کے کوئی اور راستہ نہ ہوگا۔ اللہ کا یہودیوں سے متعلقہ قانون اپنی جگہ برحق کہ وہ انہیں قیامت تک وقفے وقفے سے عذاب دیتا رہے گا لیکن اس کا یہ قاعدہ بھی ہمیں ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جب تک کوئی قوم خود اپنی حالت بدلنے کیلئے تیار نہ ہو خدا نے آج تک ایسی کسی قوم کی حالت نہیں بدلی اس لئے اجتماعی توبہ کر کے اللہ کی طرف مکمل رجوع کے سوا ہمارے سامنے کوئی راستہ نہیں ہے۔ اب دیکھئے! یہودی راہنما کے بیان کا اقتباس اور غور کیجیے کہ سازش کتنی گہری اور پرانی ہے۔

اسرائیل کے پہلے وزیراعظم ڈیوڈ بن گورین (Ben Gurion) نے اس حقیقت کا اعتراف 1967ء کی عرب

اسرائیل جنگ کے فوراً بعد کیا۔ انہوں نے پیرس (فرانس) کی سار بون یونیورسٹی میں ممتاز یہودیوں کے ایک اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''بین الاقوامی صیہونی تحریک کو کسی طرح بھی پاکستان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ پاکستان درحقیقت ہمارا اصلی اور حقیقی آئیڈیالوجیکل (نظریاتی) جواب ہے۔ پاکستان کا ذہنی وفکری سرمایہ اور جنگی وعسکری قوت و کیفیت آگے چل کر کسی بھی وقت ہمارے لئے باعث مصیبت بن سکتی ہے، ہمیں اچھی طرح سوچ لینا چاہیے۔ بھارت سے دوستی ہمارے لئے نہ صرف ضروری ہے بلکہ مفید ہے۔ ہمیں اس تاریخی عناد سے لازماً فائدہ اٹھانا چاہیے جو ہندو، پاکستان اور میں رہنے والے مسلمان کے خلاف رکھتا ہے۔ یہ تاریخی دشمنی ہمارے لئے زبردست سرمایہ ہے لیکن ہماری حکمت عملی (Strategy) ایسی ہونی چاہیے کہ ہم بین الاقوامی دائروں کے ذریعہ ہی بھارت کے ساتھ ربط وضبط رکھیں''۔ (''یروشلم پوسٹ'' ۹ راگست ۱۹۶۷ء)

یہی بات ایک دوسرے پیرائے میں امریکی کونسل فار انٹرنیشنل ریلیشنز کے زیر اہتمام چھپنے والی ایک کتاب ''مشرق وسطی سیاست اور عسکری وسعت'' (Middle East Polities & Military Dimensions) میں کہی گئی ہے، جس میں اس نظریے کا پاکستان کی مسلح افواج اور سول ایڈمنسٹریشن کے کردار کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے:

''پاکستان کی مسلح افواج، نظریہ پاکستان، اس کے اتحاد وسلامتی اور استحکام کی ضامن بنی ہوئی ہیں۔ جبکہ ملک کی سول ایڈمنسٹریشن بالکل مغرب زدہ ہے اور نظریہ پاکستان پر یقین نہیں رکھتی''۔

اسی کتاب کا مصنف عالمی شہرت یافتہ پروفیسر ی جی پرونیز ہے جس نے بڑی کاوش سے واقعات اور مستند حوالوں کو یکجا کیا تا کہ یہودیوں کی بین الاقوامی تحریک کے کارکن (International Zionists) ٹھیک ٹھیک نشانے لگا سکیں۔

نظریہ پاکستان چونکہ سیاسی واقتصادی زندگی اور بین الاقوامی تعلقات کو اسلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا ہے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو وحدت کے دھاگے میں پروتا اور ان کی داخلی وخارجی پالیسیوں کو اس کے مطابق تعمیر کرتا ہے اس لئے یہ اسرائیل کیلئے باعث رنج وغم بنا ہوا ہے اور وہ ایک لمبے عرصے سے وطن عزیز کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے اور وہ کوئی موقع ہندوستان سے تعاون کا ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ حالیہ پاک بھارت کشیدگی میں بھی اس نے ہندوستان کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ وہ نسخہ جو ہمارے وجود کی بقا کا ضامن ہے آج کا حکیم اسے فرسودہ اور ناقابل عمل بنا رہا ہے اور ملک کا سرمایہ دار عیاش طبقہ جو عوام کا خون چوس چوس کے بہت توانا ہو چکا ہے وہ اس تجویز پر پوری قوت سے واہ واہ کر رہا ہے اور مسلمہ تاریخی حقائق کا منہ چڑا رہا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جب دشمن پوری طرح کیل کانٹے سے لیس ہو کر ہماری سرحدوں پر مورچہ زن ہے۔ جو قوم معرکہ کے وقت اپنے گھریلو جھگڑوں میں الجھ جائے اور خود ہی اپنی ہاتھ پاؤں کاٹنے شروع کر دے اس کی بربادی کو آخر کیا نام دیا جائے.....؟

جواز شعر پر استدلال

پروفیسر محمود الحسن قریشی، ملتان کے ایک سرکاری کالج میں اردو کے استاد ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں، ''جواز شعر'' کے حوالہ سے ایک استفسار کا جواب انہوں نے حضرت مولانا عطاء المحسن علیہ الرحمتہ سے حاصل کیا تھا۔ یہ یادگار تحریر، انہی کے شکریہ کے ساتھ نذر قارئین ہے۔

واردات قلب، محسوساتِ نظر اور فکر سے پھوٹنے والے خیالات کو جب الفاظ کا پیرہن دیں گے تو شعر سے زیادہ موزوں کوئی سا پیراہن نہیں، نہ افسانہ، نہ ناول، نہ انشائیہ، کیونکہ واردات و مشاہدات، خطراتِ غم والم اور طرب و کرب کی کیفیتوں کو آپ جب بھی جامۂ لفظ سے مرصع کرنے بیٹھیں گے تو نثر پھیلاؤ میں لے جا کر خود آپ کو بھی کھو دے گی۔ مگر شعر ایک ایسا حسین دلکش پیرائیہ اظہار و جامۂ پُر بہار ہے کہ خیالات و افکار کا ابلاغ شعر کے سانچے میں ڈھل کر دو چند ہو جاتا ہے، پیکرِ خوبی و جمال بن جاتا ہے اور شاعر کو زندۂ جاوید بنا دیتا ہے۔ مثلاً دل کی بے قراری کو آپ داغ کے اس مطلع میں ملاحظہ کریں:

شرور برق نہیں شعلہ و سیماب نہیں   کس لئے پھر یہ ٹھہرتا دل بے تاب نہیں

یہ کیف و سرور، یہ سرمستی و آگہی اور یہ نشاطِ سرمدی جو اس شعر میں سمٹ آیا ہے۔ نثر کی یہ مجال کہاں کہ خیال کی ندرت کو الفاظ کے جامۂ مختصر سے بہرور کرے۔ دنیا کی بے رخی و بے التفاتی، جلد بھول جانے کی ریت پر اس سے بلیغ زناٹے دار بات بھلا نثر کے نصیب کہاں۔

دبا کے قبر میں چل دیئے دعا نہ سلام   ذرا سی دیر میں کیا ہو گیا زمانے کو

شب غم کی ہیبتوں کے قصہ ہائے دراز تو آپ نے بہت سنے، پڑھے ہوں گے اور جن نصیب جلوں پر کوہ غم ٹوٹ پڑتا ہے ان کی آہیں، سسکیاں بھی آپ کا چین حرام کر چکیں ہوں گی، سینکڑوں کتابیں ان خزینۂ واقعات و حالات سے اپنے دامنِ سیاہ کو پھیلائے ہوئے، پڑھنے والوں کو شب غم کی طویل رات کا مسافر بنا دیتی ہیں مگر شعر ملاحظہ فرمائیں جو سیکڑوں کتابوں پر وزنی ہے۔

رات باقی تھی جب وہ بچھڑے تھے   کٹ گئی عمر رات باقی ہے

اور یہ شعر ہی تو ہے جس نے حسان بن ثابتؓ کو زندۂ جاوید کر دیا ورنہ نعت گو تو لاکھوں گزرے، کروڑوں نعتیں کہی گئیں، سیرت پر کتابیں لکھی گئیں۔ ؎ مگر وہ بات کہاں...............!

خُلِقتَ مُبرَّأً مِن کُلِّ عیبٍ   کاَنَّکَ قَد خُلِقتَ کَمَا تَشَآءُ

آپ تو یوں ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے، جیسے آپ کا منشا ہی یہ تھا کہ آپ کو ایسا بنایا جائے، اس کا جواب کون ڈھونڈے گا؟ جو نثر میں ممکن ہو۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ شعر فصاحت میں پہلے درجہ کی صنف سخن ہے، جس میں ایجاز و اعجاز پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ قاری پڑھ کر حظ اندوز ہوتا ہے۔ گھبراہٹ یا اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی اور یہی اس کے جواز کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ (۱۱ر نومبر ۱۹۸۲ء)

سبحانک ھذا بہتان عظیم

(مظہری یزیدیت بمقابلہ عباسی یزیدیت)

ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور نے کچھ ماہ قبل ''مولانا امین اوکاڑوی نمبر'' شائع کیا تو اس میں حسبِ دستور سابق ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' کے بانی رئیس التحریر حضرت سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے حلقہ فکر کو جا بجا دشنام والزام کے ساتھ یاد کیا گیا تھا۔ ذیل میں، مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی نے ''حق چار یار'' کے مذکورہ ''نمبر'' کے حوالے سے سرپرست مجلہ، مولانا قاضی مظہر حسین چکوالی کے بعض اُن مغالطات کا تعاقب اور الزامات کا محاسبہ کیا ہے۔ جن کے مخاطب اور مورِدِ خود مولانا سیالکوٹی ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی قسط دسمبر ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی تھی۔

قاضی صاحب نے مجھ سے متعلق تین باتیں کہی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ مجھے، دیوبندیت کی طرف منسوب لوگوں میں شمار کر کے میرا غیر دیوبندی ہونا باور کرایا ہے۔ دوسری یہ کہ مجھے عباسی عقیدے کا حامل اور اسی زمرے میں شامل گردانا ہے۔ تیسری یہ کہ ان کے مناظرِ اسلام صاحب نے اپنی مناظرانہ علمی صلاحیت کے ذریعہ سے مجھے لاجواب اور بے بس کر دیا ہے۔ میرے بارے میں مظہری فتوائے یزیدیت کی یہ تینوں ہی باتیں بالکل غلط ہیں۔ جن کی بالترتیب تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

مسئلہ دیوبندیت جیسے اور جتنے دیوبندی، قاضی صاحب ہیں ویسا اور اتنا دیوبندی تو یقیناً میں بھی ہوں۔ بلکہ اگر میں کہوں کہ بعض اعتبار سے ان سے بھی بڑھ کر دیوبندی ہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ:

الف: قاضی صاحب، پیدائشی طور پر دیوبندی نہیں ہیں۔ قاضی صاحب جب پیدا ہوئے تو اس وقت ان کے والد بزرگوار اکابرِ دیوبند سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان پر کفر تک کے فتوے لگاتے پھر رہے تھے۔ گو کہ قاضی صاحب کا بیان ہے کہ آخر عمر میں وہ اکابر دیوبند کے عقیدت مند ہو گئے تھے۔ ہو گئے ہوں گے لیکن یہ کہنے کی جرأت قاضی صاحب نہیں کر سکے کہ ''وہ آخر عمر میں دیوبندی العقیدہ ہو گئے تھے'' جبکہ میرے والد صاحب متصلب دیوبندی تھے، مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ سے بیعت تھے، میری والدہ ماجدہ، حضرت لاہوریؒ کے ممتاز خلیفہ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری رحمہ اللہ سے بیعت تھیں۔

ب: اگر قاضی صاحب، دیوبندی اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے علماء دیوبند سے پڑھا ہے تو میں اس اعتبار سے بھی ان سے بڑھ کر دیوبندی ہوں۔ انہوں نے اپنے تعلیمی دورانیے کے صرف آخری دو سال، علماء دیوبند سے پڑھا ہے جبکہ میں پندرہ سولہ

سال تک ان سے ہی پڑھتا رہا ہوں۔

ج: اور اگر قاضی صاحب اس لئے دیوبندی ہیں کہ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ ہیں، تو اس سے انکارِ دیوبندی ہونا لازم نہیں آتا۔ جامع خیر المدارس ملتان کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دام اقبالہ نے ایک جگہ بالتصریح فرمایا کہ: ''اگر کسی کو ڈاکٹری کی سند مل جائے تو یہ اس بات کی سند نہیں کہ یہ شخص قانون سازی بھی کر سکتا ہے۔ ایسے ہی طریقت میں کسی شیخ سے خلافت مل جانا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ صاحب، اکابر کے مسلک و مشرب کے بھی ترجمان ہیں۔ واللہ یقول الحق وہو یہدی السبیل'' (ماہنامہ ''الخیر'' ملتان، محرم ۱۴۱۶ھ، ص ۴۷)

بالکل یہی احتمال قاضی صاحب کے بارے میں ہو سکتا ہے۔ خصوصاً وہ چشم و چراغ بھی بریلوی گھرانے کے ہیں اور ان کا اپنا نظریہ بھی یہ ہے کہ ''دیوبندی اور بریلوی میں عقیدے کا قطعاً کوئی اختلاف نہیں''

(خطبہ جمعہ بمقام مدنی مسجد چکوال، روزنامہ ''نوائے وقت'' راولپنڈی، ۵ فروری ۱۹۸۶ء)

اور قاضی صاحب کے مزاج کے مطابق اس کی مثال یہ ہے کہ یزید، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ تھا اور خلافت بھی اس کی کبریٰ تھی جبکہ قاضی صاحب کی خلافت، خلافت صغریٰ ہے۔ اس کے باوجود وہ (قاضی صاحب کے نزدیک) فاسق و فاجر اور ملعون بلکہ کافر ہی رہا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر، ہادی و مہدی صحابی اور اپنے وقت کے خلیفۂ راشد کی طرف سے ملنے والی خلافتِ کبریٰ بھی اس کے صالح و عادل بلکہ مسلمان تک ہونے کی بھی دلیل نہ ہو سکی تو شیخ مدنی رحمہ اللہ کی طرف سے ملنے والی خلافتِ صغریٰ، قاضی صاحب کی دیوبندیت کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے؟

لیکن اگر ان کی ''خلافت'' کو بجائے خود ایک ''دلیل'' مان لیا جائے تو میرا بھی بیعت و اصلاح کا تعلق، دیوبندی المسلک مشائخ سے ہی رہا ہے۔ لکھ چکا ہوں کہ میرے والد صاحب تو میری پیدائش سے بھی پہلے امام الاولیاء حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے اور میری والدہ محترمہ ان کے خلیفۂ مجاز حضرت پسروری رحمہ اللہ سے بیعت کا تعلق قائم کر چکے تھے۔ میں بھی حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے ہی بیعت ہونا چاہتا تھا، اسی ارادہ سے حضرت مولانا بشیر احمد پسروری رحمہ اللہ کا سفارشی خط لے کر لاہور گیا لیکن شومئی قسمت کہ حضرت لاہوریؒ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ دوسرے سال ختم رمضان پر دوبارہ اسی ارادہ سے لاہور جانے کا پختہ ارادہ تھا کہ اس رمضان میں ان کا انتقال ہو گیا۔ میں وہ رمضان پسرور میں ہی گزار رہا تھا۔ رمضان کے بعد حضرت پسروری مجھے خود لاہور لے گئے اور اپنی موجودگی میں مجھے حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیا۔ انہوں نے مجھے بیعت تو کر لیا لیکن سپرد حضرت پسروریؒ کے ہی کر دیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا عبد العزیز صاحب رائے پوری رحمہ اللہ سے میں بیعت ہوا، ان کے بعد حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کیا۔ بلکہ جن علمی و تحقیقی مسائل میں اختلاف کی شرعاً گنجائش ہے۔ ان میں اگر قاضی صاحب اختلاف برداشت کر سکیں تو بیعت تو ہم ان سے بھی ہونے کیلئے تیار ہیں۔

مسئلہ عباسیت دوسری بات میرے بارے میں قاضی صاحب نے یہ گھڑی ہے کہ ''میں بھی عباسی تحریرات سے متاثر ہو کر اس کا عقیدہ اپنا لینے والے زمرے میں شامل ہوں''۔ اس کا مختصر جواب تو ہے...... ''سبحانک ہذا بہتان عظیم''!

اور مفصل جواب اس کا یہ ہے کہ عباسی تحریرات سے کہیں زیادہ تو میں نے مظہری تحریرات پڑھی ہیں۔ محمود احمد عباسی کی صرف ایک کتاب ''تبصرۂ محمودی برہفوات مودودی'' (جو بعد میں ''حقیقت خلافت وملوکیت'' کے نام سے چھپی) اور صرف ایک کتابچے ''نہج البلاغہ تاریخ کی روشنی میں'' کے سوا، ان کی کوئی اور کتاب یا تحریر میں نے آج تک براہ راست نہیں پڑھی۔ بلکہ ان دو تحریروں کے علاوہ جتنی بھی عباسی تحریرات میں نے پڑھی ہیں اکثر و بیشتر قاضی صاحب کی ہی کتابوں کے حوالے سے اور انہی کے دھواں دار تبصروں کے ساتھ پڑھی ہیں۔ اگر میں مظہری تحریرات سے متاثر نہیں ہوا تو عباسی تحریرات سے کیسے متاثر ہو گیا؟

عباسی ور یحانی نظریات میں فرق: اس کی مزید وضاحت، صرف ایک واقعۂ کربلا سے ہی متعلق، عباسی ور یحانی نظریات کے تقابلی ملاحظہ سے بخوبی ہو سکتی ہے۔

۱۔ عباسی صاحب، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی یقین نہیں کرتے'' میں ان کو صحابی یقین کرتا ہوں۔

۲۔ وہ ان کو ''شہید'' نہیں مانتے بلکہ ''مقتول'' کہتے ہیں جبکہ میں ان کو ''شہید'' مانتا اور کہتا ہوں۔

۳۔ وہ، ان کے کربلائی اقدام کو غلط کہتے ہیں، میں اس کو صحیح کہتا ہوں۔

۴۔ وہ، ان کے کربلائی مؤقف، دو بناتے ہیں۔ ایک میدانِ کربلا میں پہنچنے والا اور دوسرا وہاں پہنچنے کے بعد والا۔ میں ان کا شروع سے آخر تک ایک ہی مؤقف مانتا ہوں۔

۵۔ وہ، کربلائی اختلاف بنیادی طور پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے درمیان بتاتے ہیں، میں ان کے اور صحابہ کرام (علیہم الرضوان) کے درمیان بتاتا ہوں۔

۶۔ عباسی صاحب کے نزدیک اختلافی اور بنیادی مسئلہ یزید کے عدل وفسق کا تھا جبکہ میرے نزدیک اصل مسئلہ طریقِ انعقادِ خلافت کا تھا۔

۷۔ وہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کربلائی اقدام کی صحت وعدم صحت کی بنیاد، یزید کے فسق وعدل کو ٹھہراتے ہیں جبکہ میں اصولِ شرع اور قواعدِ اجتہاد کو ٹھہراتا ہوں۔ یعنی ان کے نزدیک حسینی مؤقف، غلط اس لئے تھا کہ یزید صالح وعادل خلیفہ راشد تھا۔ میرے نزدیک ان کا مؤقف، صحیح اس لئے تھا کہ اصولِ شرع اور قواعدِ اجتہاد کے مطابق تھا۔

۸۔ وہ، حضرت حسینؓ کے عدل اور یزید کے فسق میں تقابل وتلازم بتاتے ہیں یعنی ان کے نزدیک بیک وقت دونوں نہ عادل وصالح ہو سکتے ہیں نہ باغی وفاسق۔ بلکہ ایک اگر عادل ہے تو دوسرا لازماً اس کے برعکس۔ وہ چونکہ یزید کو عادل وصالح مانتے ہیں۔ اس لئے حضرت حسینؓ کو ان کے کربلائی مؤقف میں لازماً غلط اور غیر عادل ٹھہراتے ہیں۔ میں ان میں نہ تقابل مانتا ہوں نہ تلازم۔ میرے نزدیک حضرت حسینؓ کے مؤقف کی صحت وعدم صحت مستقل علیحدہ مسئلہ ہے اور یزید کا فسق وعدل

اس سے بالکل جدا۔ حضرت حسینؓ تو اپنے کربلائی مؤقف میں عادل ہی عادل ہیں۔ رہا یزید کا فسق وعدل، تو ان میں سے کوئی بات بھی حسینی عدالت کو لازم نہیں۔ وہ، فاسق وفاجر ہوتا پھرے یا عادل وصالح، ان میں سے کوئی بات بھی میرے نزدیک نہ مستبعد ہے اور نہ اس سے حضرت حسینؓ کے مؤقف کی صحت وعدالت پر کوئی اثر ہی پڑتا ہے۔ وہ بدستور بہرصورت اپنے مؤقف میں عادل رہتے ہیں۔

۹۔ وہ، قاضی صاحب کی زبان میں، محبِ یزید ہیں (جیسے کہ خود قاضی صاحب، مبغضِ یزید ہیں) لیکن میں، نہ وہ ہوں نہ یہ بلکہ باتباعِ اکابر "لانحبه ولا نسبه" کا قائل ہوں۔

میں اپنے ان نظریات کو اپنے مضمون "حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کی بنیاد کیا تھی" میں مفصل و مدلل بیان کر چکا ہوں۔ جو ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" ملتان بابت ماہ محرم ۱۴۱۷ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

یہ صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کربلائی مؤقف اور یزید کے فسق وعدل سے متعلق میرے اور عباسی صاحب کے نظریات کا فرق ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ اور اصحابِ جمل وصفین (رضی اللہ عنہم) سے متعلق ریحانی وعباسی نظریات میں فرق اس کے علاوہ ہے۔ میں وہاں بھی عباسی صاحب کی ہر اس بات کو غلط کہتا، مانتا اور اس سے اختلاف رکھتا ہوں جو مسلکِ اہل السنۃ کے خلاف ہے۔

عباسی نظریات کے بالمقابل مذکورہ بالا میرے نظریات، قاضی صاحب کے نزدیک صحیح ہیں یا غلط؟ اس وقت بحث اس سے نہیں ہے بلکہ اس سے ہے کہ میں بقول قاضی صاحب، عباسی تحریرات سے متاثر ہو کر اس کا عقیدہ اپنا لینے والے زمرے میں شامل ہوں یا نہیں؟ سو قارئین نے ملاحظہ کر لیا کہ میرا اس زمرے سے کوئی تعلق نہیں۔ میں، عباسی نظریات وعقائد کے نہ بنیادی قواعد وضوابط میں ان کا ہم نوا ہوں نہ ان پر مرتب کردہ ان کے نتائج ومسائل میں ہی ان کا ہم خیال ہوں۔ میرے اور عباسی صاحب کے نظریات وخیالات بالکل الگ الگ ہیں۔

مظہری عباسیت اب میں بتاتا ہوں کہ قاضی صاحب اس معاملہ میں خود بنیادی طور پر "عباسی" بھی ہیں اور اس سے بڑھ کر "یزیدی" بھی۔ عباسی تو اس طرح ہیں کہ جو نظریات انہوں نے اختیار کر رکھے ہیں، ان کی بنیادیں بالکل وہی ہیں جو عباسی نظریات کی ہیں۔ ان کی سوچ کا انداز، طرزِ استدلال اور طریقِ استنباط واستخراج سب کچھ بعینہٖ وہی ہے جو عباسی صاحب کا ہے۔ صرف ان بنیادوں پر اٹھائے اور مرتب کئے گئے مسائل میں اختلاف ہے۔ گویا عباسی صاحب اور قاضی صاحب دونوں سوار ایک ہی کشتی کے ہیں۔ صرف ایک کا منہ اگر مشرق کی طرف ہے تو دوسرے کا مغرب کی طرف۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ:

الف: عباسی صاحب، کربلائی اختلاف، بنیادی طور پر حضرت حسینؓ اور یزید کے درمیان بناتے ہیں تو قاضی صاحب نے بھی ان کا مدمقابل یزید کو ہی بنا رکھا ہے۔ جس میں میرے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین ہے۔ کیونکہ یزید کی یہ حیثیت

ہی نہیں کہ وہ ریحان النبی ﷺ کے مقابل آ سکے۔اس لئے ان کا اختلاف جو کچھ بھی تھا، میرے نزدیک صحابہ کرام (علیہم الرضوان) سے تھا۔جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔

ب: عباسی صاحب نے اختلافی اور بنیادی مسئلہ یزید کے عدل وفسق کو بنا رکھا تھا تو قاضی صاحب نے بھی اسی کو بنیادی حیثیت دے رکھی ہے۔ ہر وقت یزید کے عدل وفسق کا ہی رونا روتے رہتے ہیں۔

ج: عباسی صاحب نے حضرت حسینؓ کے کربلائی اقدام کی صحت وعدم صحت کی بنیاد اگر یزید کے فسق وعدل پر رکھی ہوئی تھی تو قاضی صاحب بھی اسی کو بنیاد اور معیار بنائے ہوئے ہیں۔عباسی صاحب کہتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کا یہ اقدام اس لئے غلط تھا کہ یزید، عادل وصالح خلیفہ راشد تھا۔اس کے مقابل قاضی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ ان کا یہ اقدام اس لئے صحیح تھا کہ یزید، فاسق وفاجر اور نااہلِ خلافت تھا۔عباسی وقاضی صاحبان دونوں یزید کے فسق وعدل کو تو اصل کو تو اصل کا درجہ دیتے ہیں اور حضرت حسینؓ کے مؤقف کی صحت وعدم صحت کو اس کے تابع اور محض اضافی بناتے ہیں۔جس کا مطلب یہ ہوا کہ قاضی صاحب یا کسی مظہری کے مقابلہ میں کوئی عباسی اگر یزید کا صالح وعادل ہونا ثابت کردے تو حضرت حسینؓ کی ''مظہری عدالت'' گئی اور اگر عباسی کے مقابلہ میں قاضی صاحب یا کوئی مظہری اس کا فاسق وفاجر ہونا ثابت کردے تو ان کی ''عباسی بغاوت'' نہ رہی۔اس طرح حضرت حسینؓ تو نہ مستقل طور پر عادل بن سکیں گے نہ باغی، ہاں عباسی ومظہری محققوں کا تختۂ مشق بنتے رہیں گے۔

مظہری یزیدیت اور یزیدی، قاضی صاحب اس طرح ہیں کہ انہوں نے بھی عباسی صاحب کی طرح کربلائی فریقین میں سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بجائے یزید کو ہی اپنی زندگی کا موضوع بنایا ہوا ہے۔

وضاحت اس کی یہ ہے کہ عباسی اور قاضی صاحبان دونوں کے نزدیک واقعۂ کربلا کے دو فریق تھے۔ایک حسینی، جس کے سرخیل حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھے اور دوسرا یزیدی، جس کا سرکردہ یزید تھا۔محمود احمد عباسی صاحب نے ان میں سے یزید کو اصل قرار دے کر اسی کو اپنی زندگی کا مشن بنایا، اسی نام وعنوان سے کتابیں لکھیں، حضرت حسینؓ اور ان کے کربلائی مؤقف کا ذکر تبعاً اور ضمناً لائے۔بالکل اسی طرح قاضی صاحب نے بھی حضرت حسینؓ کو چھوڑ یزید کو ہی اپنی تگ وتاز کا مرکز بنا رکھا ہے، عدالتِ حسینؓ کی بجائے فسقِ یزید کے عنوان سے ہی مضامین لکھتے لکھاتے اور معرکہ آرائیاں کرتے کراتے رہے ہیں۔اور اسی وجہ سے اہل السنۃ میں افتراق وانتشار پیدا کرتے ہیں۔کوئی شخص ان سے کسی بھی مسئلہ میں اختلاف کیوں نہ کرے وہ جب لاجواب ہونے لگتے ہیں تو اس کو پھر اگھا کر یزید کے فسق پر ہی لانے کی کوشش کرتے ہیں۔اپنے ہم عصر علماء اہل السنۃ سے ان کے اختلاف واتفاق کی آخری شرط ہی یہ ہوتی ہے کہ ''اگر یزید کو فاسق وفاجر تسلیم کرنے کا اعلان کردو تو ہمارا اختلاف ختم ہوسکتا ہے ورنہ نہیں'' اس سلسلے میں ان کا آخری مطالبہ ہی یہ ہوتا ہے کہ ''واضح طور پر یزید کے بارے میں اپنے عقیدے کا اعلان کریں یہ گومگو کی پالیسی صحیح نہیں'' ان کا سب سے پہلا ''اعلان جنگ'' ہی یہ ہوتا ہے کہ ''فلاں نے باتباعِ اکابر یزید کے فاسق ہونے کا اعلان نہیں کیا'' حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کربلائی مؤقف کی صحت کا اوّل تو عموماً ذکر ہی نہیں

کرتے اگر کسی مجبوری سے کرتے بھی ہیں تو محمود احمد عباسی صاحب کی طرح محض تبعاً وضمناً اور ثانوی درجے میں۔ پھر اس میں بھی مقصود اصلی حسینی مؤقف کو صحیح بتانا نہیں ہوتا بلکہ یزید کو فاسق وفاجر بنانا ہوتا ہے۔

امرِ واقعہ یہ ہے کہ بات، یزید کو فاسق وفاجر کہنے، ماننے سے نہیں بنتی بلکہ حضرت حسینؓ کے مؤقف کو صحیح کہنے ماننے سے بنتی ہے۔ مثلاً ایک شخص یزید کو فاسق وفاجر، زانی وشرابی اور وہ سب کچھ کہتا، مانتا ہے جو قاضی صاحب اس کو کہلوانا اور منوانا چاہتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مؤقف کو بھی غلط بتاتا اور ان کو طالب جاہ ومنصب وغیرہ گردانتا ہے تو بات نہ بنے گی۔ قاضی صاحب اس کو گلے نہ لگائیں گے اور اگر وہ حضرت حسینؓ کے مؤقف کو عقلاً وشرعاً وقانوناً ہر لحاظ سے بالکل صحیح کہتا مانتا ہے اور اس کے بعد یزید کے فسق وفجور اور زناکاری وشراب نوشی کا ڈھنڈورا پیٹنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ اسکے دین وایمان اور تسنن میں کچھ فرق نہیں پڑیگا۔ بات جب حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت سے بنتی ہے یزید کے فسق سے نہیں بنتی۔ اور حضرت حسینؓ کے موقف کو صحیح کہنے، ماننے کے بعد یزید کو ضرور بالضرور فاسق وفاجر ہی کہنے ماننے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ قاضی صاحب اگر ''یزیدی'' نہ ہوتے تو حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت وعدم صحت کو اپنی زندگی کا مشن اور اپنے اختلاف واتفاق کا معیار بناتے، لیکن وہ چونکہ محمود احمد عباسی صاحب کی طرح خود بھی یزیدی ہیں۔ اس لئے انہوں نے یزید کے فسق وفجور کو ہی اپنی زندگی کا مشن بنانا اور اسی کو اپنے سینے سے چمٹائے رکھنا پسند کیا۔ رُخ چونکہ دونوں یزیدیوں کا ایک دوسرے سے مختلف ہے اس لئے شناخت وامتیاز کے لئے ایک کو ہم ''عباسی یزیدیت'' اور دوسری کو ''مظہری یزیدیت'' کا نام دیتے ہیں۔

مسئلہِ اوکاڑویت تیسری بات مجھ سے متعلق قاضی صاحب نے اپنے مناظرِ اسلام مولانا اوکاڑوی کے حوالہ سے یہ لکھی ہے کہ انہوں نے مجھے ''اپنی مناظرانہ علمی صلاحیت کے ذریعہ لاجواب اور بے بس کر دیا'' لیکن اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل انہوں نے نہیں دی۔ حالانکہ میرے نام اوکاڑوی صاحب کے جس کھلے خط کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ اوکاڑوی صاحب کے نام میرے اُس خط کا جواب ہے جو فل اسکیپ کے پچیس صفحات پر مشتمل تھا، اس میں، میں نے سولہ نکتہ ہائے اعتراض اٹھائے تھے۔ وہ ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان میں دسمبر ۱۹۹۵ء تا مارچ ۱۹۹۶ء بالاقساط چھپ بھی چکا ہے۔ قاضی صاحب کے علم میں میرا وہ خط بھی یقیناً ہوگا۔ لہٰذا ان کو چاہیئے تھا کہ میرے اس خط کی کوئی ایک بات ہی مثال کے طور پر اپنے اس دعوے کی دلیل میں ذکر کر کے بتلاتے کہ مثلاً دیکھو ابو یحان نے یہ لکھا تھا، اوکاڑوی صاحب نے اس کا یہ جواب دے کر اس کو لاجواب اور بے بس کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے ایسی کوئی دلیل پیش نہیں کی اور نہ پیش کر ہی سکتے ہیں۔ اور دعویٰ بلا دلیل کی جو حیثیت ہوا کرتی ہے وہ معلوم ہی نہیں ہے۔ رہی بات قاضی صاحب کے مناظر اسلام صاحب کی مناظرانہ علمی صلاحیت کی؟ تو ان کا وہ خط تو قاضی صاحب کے ہی ''خارجی فتنہ'' حصہ دوم (بحث فسق یزید) کا چربہ بلکہ سرقہ تھا، اپنی طرف سے کوئی نئی بات یا انوکھی تحقیق انہوں نے پیش نہ کی تھی، اس لئے علمی یا غیر علمی صلاحیت جو کچھ بھی تھی وہ مناظرِ اسلام صاحب کی نہ تھی بلکہ قاضی

صاحب کی ہی تھی۔ لہذا اس کو خارجی فتنہ کا مناظرانہ قلمی چربہ بلکہ سرقہ تو کہا جا سکتا ہے، علمی صلاحیت نہیں کہا جا سکتا۔ رہی خود قاضی صاحب کے ہی ''خارجی فتنہ'' کی علمی صلاحیت وحیثیت؟ تو وہ چونکہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں اس لئے اس پر زیادہ کچھ لکھنے کی بجائے قاضی صاحب کی ہی نقل کے مطابق صرف اتنا ہی عرض کرتے ہیں کہ:

ع.......... دل کے خوش کرنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

اوکاڑوی بے بسی واقعہ یہ ہے کہ آج سے تقریباً سات سال پہلے ملتان کے ماہنامہ ''الخیر'' بابت ماہ محرم ۱۴۱۶ھ میں اوکاڑوی صاحب کا ایک مضمون بعنوان ''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ'' چھپا۔ اس میں شہادت کے سلسلے میں یزید کا ذکر تو آنا ہی تھا سو وہ آیا لیکن اس طرح آیا جس طرح روافض کی مجالس میں آیا کرتا ہے۔ اس پر ہنگو ضلع کوہاٹ کے مولانا محمد امین صاحب اورکزی نے ''الخیر'' کے مدیر اعلیٰ جناب مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب کو اپنے ایک خط میں اس مضمون کی طرف توجہ دلائی۔ انہوں نے وہ خط جناب اوکاڑوی صاحب کو دے دیا۔ انہوں نے جواباً پہلے سے بھی بڑھ کر ایک اور مجلس پڑھ دی۔ اس کے بعد خیر المدارس کے ہی درجہ حدیث کے ایک طالب علم نے بھی اس پر کچھ اشکالات پیش کئے تو اوکاڑوی صاحب نے دوسری مجلس سے بھی بڑھ کر ایک تیسری مجلس پڑھ ڈالی۔ ان کی یہ ساری مجلسیں اب ''تجلیات صفدر'' (جلد اول) میں چھپ گئی ہیں اس وقت چھپی نہ تھیں لیکن مجھے ان کی نقول میسر آ گئی تھیں۔ ان کی یہ سب تحریریں اور مجلسیں جب میری نظروں سے گذریں تو میں نے بھی ان کے نام ایک کھلا خط لکھا جو میں نے پہلے براہ راست ان کی خدمت میں بھیجا پھر اشاعت کیلئے ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' ملتان کو بھی بھیج دیا گیا جو اس میں بالاقساط چھپا۔ میرا موضوع یزید کا فسق وعدل ہرگز نہ تھا بلکہ میں نے اس سلسلے میں اوکاڑوی صاحب کے غلو پر گفتگو کی تھی۔ میں نے لکھا تھا کہ ایسے اختلافی مسائل کا حکم یہ ہے کہ ''اختیار تو انسان جس جانب کو چاہے کر سکتا ہے لیکن اس کی تائید وترجیح میں ایسا طریقہ اختیار نہیں کر سکتا جس سے دوسری جانب کی بالکلیہ ایسی تردید وتغلیط ہو جاتی ہو کہ اس میں سرے سے جواز کی بھی کوئی گنجائش باقی نہ رہے کیونکہ اختلافی مسائل میں خصوصاً جن میں صحابہؓ وتابعینؒ سے اختلاف چلا آ رہا ہو کسی بھی جانب کی نہ قطعی تصحیح کی جا سکتی ہے نہ قطعی تغلیط۔ اس لئے کسی جانب کی تائید وترجیح میں کوئی خواہ کتنی ہی دادِ تحقیق کیوں نہ دے ڈالے، قیل وقال اور ایراد واعتراض سے خالی نہیں ہو سکتی''۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے اختلافی مسائل کے اس حکم کی روشنی میں، میں نے ان کو لکھا تھا ''آپ کے نزدیک واقعۂ کربلا وغیرہ کا حل اگر یزید کو فاسق وفاجر اور زانی وشرابی وغیرہ بنانے بتانے ہی میں تھا جہاں اوروں نے اس کو یہ کچھ کہا ہے آپ بھی ضرور کہہ لیتے لیکن اس میں اتنا غلو کرنا آپ کی شان کے لائق نہ تھا جس سے دوسری جانب کے صحابہؓ وتابعینؒ کی عزت وحرمت مجروح ہوئے بغیر نہیں رہی۔''

پھر میں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اختلافی مسائل میں قیل وقال اور ایراد واعتراض ہر جانب کے دلائل پر وارد ہو سکتا ہے ان کے دلائل پر ایراد واعتراض وارد کر کے بتلایا تھا کہ دیکھئے آپ نے اپنے خیال میں کتنے وزنی اور مضبوط

دلائل دیئے ہیں لیکن آپ کی کوئی ایک دلیل بھی ایسی قطعی نہیں کہ اس پر کوئی اعتراض واشکال وارد نہ ہوسکتا ہو۔ یہ بتا کر میں نے لکھا کہ:

''(میرا) مقصود آپ کا مکمل جواب لکھنا یا آپ سے کوئی مجادلہ ومناظرہ کرنا نہیں بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ اختلافی اجتہادی مسائل میں کسی فریق کی طرف داری میں انسان جتنا بھی ایڑی چوٹی کا زور کیوں نہ مار لے، کوئی قطعی ویقینی بات نہیں کہہ سکتا، اس کی کوئی بھی تاویل وتوجیہ اور تشریح وتوضیح ایراد واعتراض اور قیل وقال سے خالی نہیں ہوسکتی۔ میں نے بھی جو کچھ عرض کیا ہے خود یہ بھی نہ قطعی ویقینی ہے اور نہ ایراد واعتراض سے مبرا ہی''

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آخر میں خلاصہ کے طور پر پھر لکھا تھا کہ ''اس لئے ایسے مسائل میں موقف تو جو چاہے آدمی اختیار کر لے لیکن کسی جانب کو ایسا قطعی ویقینی اور خواہ مخواہ ایسا اتفاقی واجماعی بنانے لگ جانا کہ دوسری جانب کے لئے نفسِ جواز کی بھی کوئی گنجائش نہ چھوڑنا، اصول وقواعدِ اہل سنت کی رُو سے نہایت ہی نامناسب ہے۔ یزید کی بیعت و خلافت کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا۔ اس کے بارے میں بھی صحابہ کرامؓ وتابعینؒ عظام کا آپس میں اختلاف بھی تھا اور خالصتاً اجتہادی بھی تھا۔ اس میں آپ کا میلان اگر یزید کے فسق کی طرف ہی تھا تو آپ بڑی خوشی سے اس کا ذکر کرتے لیکن اس کے لئے جیسی مجلسیں آپ نے الخیر میں، مولانا محمد امین صاحب کے جواب اور مولانا ضیاء الرحمان کے جواب میں پڑھی ہیں ایسی مجلسیں ہمارے اکابر سے ثابت نہیں ہیں۔ اکابر نے نہ تو یزید کو خلیفۂ راشد وعادل کہہ کر حضرت حسینؓ کو باغی واغی کہا ہے اور نہ حضرت حسینؓ کے عدل کے حوالہ سے یزید کو ایسا فاسق وفاجر، زانی وشرابی اور کتے باز، چیتے باز اور بندر باز وغیرہ وغیرہ بنایا ہے جیسا آپ نے اس کو یہ کچھ بنانے پر اپنا سارا زور لگا دیا ہے۔ بلکہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے جو تحقیق ''شہادۃ الامام حسینؓ اور کردار یزید'' میں کر دی ہے اس کے بعد تو حضرت حسینؓ کے موقف کی صحت کے لئے یزید کو نفسِ فاسق وفاجر بنانے بتانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں رہی، یہی حال حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کے موقف کا بھی ہے۔''

یہ ہے میرے اس خط کا مرکزی مضمون ومدعا جس کے جواب میں اوکاڑوی صاحب نے میرے نام اپنا وہ کھلا خط لکھا تھا جس نے قاضی صاحب کے بقول مجھے لاجواب اور بے بس کر دیا ہے۔ قارئین نے ملاحظہ کر لیا کہ میرا موضوع، یزید کا فسق وعدل نہ تھا بلکہ میری تمام تر گفتگو کا محور ومرکز اس مسئلہ میں اوکاڑوی غلو تھا، انہوں نے اصل مقصود سے تو بالکل تعرض ہی نہ کیا اور پھر سے قصۂ فسق وفجور ہی کو لے بیٹھے۔ میں نے اصل مقصود کی وضاحت کے لئے مثال اور نمونے کے طور پر ان کے دلائل پر جو اشکالات وارد کئے تھے ان کے سامنے وہ لاجواب ہوگئے مگر خفت مٹانے اور بھرم بچانے کیلئے اپنے بلند مقام سے بہت نیچے اتر آئے۔ انہوں نے دشنام طرازی وبہتان تراشی، مجادلانہ تلبیس وتدلیس اور مناظرانہ ہیر پھیر سے کام لیا۔ کبھی مجھے قادیانیوں سے ملا دیا تو کبھی یہودی بنایا، کہیں یزید کے سر پر پیغمبری کا تاج سجانے کی تعریض مجھ پر کی تو کہیں کُتے کی طرح عوعو کرنے کی گالی مجھے دی یوں اپنی عرفی شرافت ومتانت کا بھرم گنوانا تو انہوں نے پسند کر لیا لیکن ''اوکاڑوی غلو'' جو میرا اصل

موضوع تھا، اس پر گفتگو کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔ جب وہ اصل موضوع کی طرف آئے ہی نہیں بلکہ بدستور فسق یزید پر ہی بھنبھناتے اور اسی کو ناپتے تولتے رہے ہیں تو مجھے لاجواب اور بے بس انہوں نے آخر کب اور کیسے کر دیا؟ ان کا میرے نام یہ کھلا خط اگر مجھے بھی بھیجتے جیسا کہ میں نے ان کے نام اپنا کھلا خط پہلے ان کو بھیجا تھا پھر نقیب ختم نبوت کو، لیکن انہوں نے اندر ہی اندر اپنے شاگردوں کو تو اشاعت کیلئے دے دیا لیکن مجھے نہ اس کی کوئی اطلاع دی نہ نقل ہی بھیجی۔ مجھے اس کا علم اس وقت ہوا جب وہ ''تجلیاتِ صفدر'' میں چھپا۔ اس میں انہوں نے جو زبان میرے خلاف استعمال کی تھی۔ ان کو یہ بتانے کیلئے کہ دیسی زبان، اوّل تو ان سے بہتر ورنہ کم از کم ان کی سی یقیناً مجھے بھی آتی ہے۔ ایک تحریری نمونہ جواباً میں نے ان کو بھیج دیا تھا۔ تاکہ ان کو اپنے بارے میں یہ غلط فہمی نہ رہے کہ یہ زبان، پاکستان میں صرف وہی جانتے ہیں اور کوئی نہیں جانتا۔

باقی رہا اس خط کا مضمون تو وہ چونکہ میرے موضوع سے بالکل ہی غیر متعلق تھا۔ اس لئے میں نے اس کو نا قابل جواب سمجھ کر ایک طرف رکھ دیا۔ لیکن میرے جاننے والے جس شخص نے بھی اوکاڑوی صاحب کا وہ خط پڑھا، اس نے مجھے اس کا جواب لکھنے کو کہا۔ میں معذرت کرتا رہا۔ اگر کسی نے زیادہ اصرار کیا تو میں نے اپنے پہلے خط کی ایک نقل اس کو بھیج دی کہ میں نے اوکاڑوی صاحب کے نام یہ خط لکھا تھا، ان کے جوابی خط کا مواز نہ میرے اس خط کے ساتھ کر لیں۔ پھر اگر کوئی بات قابل جواب آپ کو نظر آئے تو مجھے لکھیں، میں جواب دے دوں گا۔ میں نے جس کو بھی اپنا وہ خط بھیجا، اس نے پڑھ کر اوکاڑوی صاحب کے خط کو بے ساختہ ''سوال از آسماں جواب از ریسماں'' کا مصداق ہی قرار دیا۔

بعض احباب کا اصرار پھر بھی جاری رہا تو میں نے مجبوراً قلم ہاتھ میں لیا اور ''تلبیساتِ صفدر'' کے نام سے اس کا مفصل جواب، اوکاڑوی زبان میں لکھ دیا۔ ابھی اس کا مبیّضہ نہ کرنے پایا تھا کہ اوکاڑوی صاحب فوت ہو گئے۔ اب میں نے ایک تو اس کا عنوان بدل دیا اور دوسرا اس کی زبان کو بھی اوکاڑوی دائرے سے نکال کر شرافت و متانت کے دائرے میں لے آیا۔ اس کے باوجود بھی ان کی وفات کے بعد مجھے اس کی اشاعت کچھ اچھی معلوم نہ ہوئی تو میں نے اس کا ارادہ بالکلیہ ہی ترک کر دیا۔ لیکن قاضی صاحب نے اس پاس و لحاظ کو میری لاجوابی اور بے بسی کا نام دے ڈالا ہے، ممکن ہے اوکاڑوی صاحب کے دیگر پرستاروں کا خیال بھی یہی ہو، اس لئے اب میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ ان کے خط کا جواب، سابقہ نام اور سابقہ زبان میں جلد شائع کرانے کی کوشش کروں گا۔

فی الحال تو میں اپنی کتاب ''سبائی فتنہ'' (جلد دوم) کی تلخیص کر رہا ہوں، کسی ماہنامہ میں چھپوانے کیلئے، تاکہ اس کا خلاصہ، قاضی صاحب اپنی زندگی میں دیکھ جائیں، مفصل کتاب تو جب شائع ہوگی سو ہوگی۔ اس سے فارغ ہو کر اگر اللہ کو منظور ہوا تو پہلی فرصت میں اوکاڑوی صاحب کا ہی قرضہ چکاؤں گا۔ اللہ کرے کہ قاضی صاحب اس کے ملاحظہ سے بھی اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر جائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عینک فریمی

زبان میری ہے بات اُن کی

☆ ڈیل پر یقین نہیں رکھتے، ملکی مفاد میں پری بارگیننگ کرتے ہیں (چیئرمین نیب)

پاکستان کا مطلب کیا...... جو کچھ لبھے بوجھے پا

مک مکا.................. مک مکا

☆ آپ کو اسلامائزیشن اور سیکولرزم کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ (سردار عبدالقیوم)

یہ معمولی باتیں ہیں!

☆ امریکہ کو سجدہ گاہ بنانے والوں کو جوتے اتار کر جانا چاہیے تھا۔ (حمید گل)

گستاخی ہوئی جناب!

☆ پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے کیلئے مشرف سے مل کر کام کرتے رہیں گے۔ (پاول)

جناح اور اقبال کے خوابوں کی تعبیر؟

☆ پروگریسو اور لبرل لوگوں کی پاکستان میں اکثریت ہے، اب تو گاؤں جاؤں تو کئی خواتین ہاتھ ملاتی ہیں۔ (صدر)

رسول پاک ﷺ نے کبھی تو کسی خاتون سے ہاتھ نہیں ملایا تھا!

☆ بین الصوبائی کانفرنس کے نام پر بسنت منانے کیلئے پورے ملک سے بیوروکریٹس کی لاہور آمد (ایک خبر)

یہی وہ ایک فیصد طبقہ ہے جس نے ملک کو تباہی کے دہانے لا کھڑا کیا ہے۔

☆ ایڈیشنل ایس ایچ او تھانہ نیو ملتان رشوت لیتے گرفتار (ایک خبر)

بڑی عجیب بات ہے!

☆ امریکہ، ایران کو عراق اور افغانستان نہ سمجھے۔ (ایرانی وزیر دفاع)

کار مرداں کردہ ای!

☆ پاکستان جو کچھ مانگے گا، دیں گے۔ (وینڈی چیمبرلین)

ہوئے تم دوست جس کے   دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو

☆ محکمہ آب کاری کے اہل کار چوری شدہ شراب پیتے ہیں۔ (ایک خبر)

''یہ تو جرم ہے، خود خرید کر پٹنی چاہیے''۔

☆امریکہ بدتر ملک ہے، آئندہ کبھی نہیں آؤں گا۔(راشد قریشی)

سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تو کیا کیا؟

☆بسنت دس ہزار افراد کا عبوری روزگار (ٹی وی کمپیئر)

روزگار تو اُس بازار میں شیدے دلال کو بھی مل جاتا ہے۔

☆امریکہ کو کسی دوسرے ملک کے خلاف کارروائی کی اجازت نہیں دیں گے۔(اسلامی کانفرنس)

وہ شاخِ گل پہ زمزموں کی دُھن تراشتے رہے
نشیمنوں پہ بجلیوں کا کارواں گزر گیا

☆منصور الحق سے پانچ ارب کی بجائے پچاس کروڑ لے کر رہائی (ایک خبر)

تو کیا نشان زدہ پانچ سو روپے کے نوٹ لیتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا جانے والا سرکاری اہل کار بھی اُن پانچ سو میں سے دو سو مجسٹریٹ کو واپس دے کر رہا ہو سکتا ہے؟

☆حکومت نے اسلام کا روشن فلسفہ پیش کیا ہے۔(سرکاری ترجمان)

مثلاً..... بسنت میلہ کے نام سے جدید کنجروں اور کنجریوں کی ہاؤ ہو کی حوصلہ افزائی!

☆افغانستان میں امریکن فوجیوں نے چرس اور ہیروئین پینا شروع کر دی۔(ایک خبر)

پی، رج کے پی..... تیرا ٹھنڈا ہووے جی

☆مولانا اجمل قادری بائیں بازو کے سیاستدانوں کی سیاسی پارٹی بنائیں گے۔ پارٹی کا نام ''پاکستان انقلابی تحریک'' ہوگا، وہ خود اس کے امیر ہوں گے۔ بائیں بازو کی حامی دینی جماعتوں کو بھی اس میں شامل کیا جائے گا (ایک خبر)

ع..... لٹ گیا دین خانقاہوں میں

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن سپیئر پارٹس تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ ڈیرہ غازی خان فون: 0641-462501

پروفیسر محمد اکرام تائب

نعت شریف

اُن کی شانِ سخاوت کا ہے یہ کرم ہاتھ خالی کوئی در سے آیا نہیں
اُن کے در سے ملا ہے مجھے اس قدر سر کسی اور در پہ جھکایا نہیں
ذات اُن کی خدائی کا شہکار ہے آپ سا پھر کسی کو بنایا نہیں
اُن کی ذاتِ مقدس کا پوچھو نہ تم نور ہی نور ہیں اُن کا سایہ نہیں
دیکھ کر اُن کے کوچہ و بازار کو باغِ فردوس بھی دل کو بھایا نہیں
اُن سے نسبت کا تائبؔ ہے یہ معجزہ آگ نے بھی جو مجھ کو جلایا نہیں

δ δ δ δ δ δ δ

جانباز مرزا مرحوم

..... حق کا بیڑا پار دیکھ!

شمع باطل کس طرح بجھتی ہے آخر کار دیکھ کس طرح ہوتا ہے آخر حق کا بیڑا پار دیکھ
کس طرح اسلام کے قدموں نے روندا کفر کو کس طرح کچلا گیا ہے آستیں کا مار دیکھ
جھک گئے لات و ہبل توحید کے پرچم تلے فتح دیکھ اسلام کی اور قادیاں کی ہار دیکھ
رنگ لایا ہے شہیدانِ نبوت کا لہو کس طرح ٹوٹی ہے آخر کفر کی تلوار دیکھ
جس کی ہر اک سانس میں افرنگیوں کی جان تھی مر رہا ہے آج وہ برطانوی بیمار دیکھ
اُس کو دوزخ کا فرشتہ بھی بچا سکتا نہیں اس طرح پکڑا گیا ہے وقت کا غدّار دیکھ
جس کو ربوہ میں ''اوسارا'' تھا فرنگی راج نے دیکھ سکتا ہے تو وہ گرتی ہوئی دیوار دیکھ
معجزہ ہے یہ مدینے کی بڑی سرکارؐ کا کس طرح جمہور کے آگے جھکی سرکار دیکھ
''قادیانیت'' پہ ہے قہرِ خدا شعلہ فگن جل رہا ہے کس طرح برطانوی شہکار دیکھ

قادیاں کی مادیاں ، جانبازؔ آخر جھک گئیں
ہاں مگر لہرا رہا ہے پرچمِ احرار دیکھ

ملک وزیر غازی ایڈووکیٹ (ملتان)

بھارت سے مذاکرات ناممکن

لوح تاریخ پر لکھا ہوا
یہ فرمانِ وقت
اٹل ہے، انمٹ ہے
کہ استعمار
شہر برباد کرتا ہے، بستیاں اُجاڑتا ہے
آبادیاں لوٹتا ہے
ملکوں کو تاراج کرتا ہے
انسانوں کو خاک وخون میں تڑپاتا ہے
اپنی فتح کا جشن مناتے ہوئے
رقصِ بسمل سے لطف اندوز ہوتا ہے
.....
ایسے جاں گسل مرحلوں پر ملت اسلامیہ
امپریلزم کے سامنے
کھڑی ہوتی رہی ہے
استبداد کے سامنے
باطل کے آگے
اس نے کبھی رکوع وسجود نہیں کیا
وہ ہمیشہ حالتِ قیام میں رہی
وہ خدائی فوجدار بن کر شاہوں کے کرّ وفر کو مٹاتی رہی
.....
آخر اسلام نے ہی بتانِ عجم کو توڑا تھا
اسلام نے ہی تختِ قیصر الٹا تھا
اسلام نے ہی تاتاریوں کے سیلاب کو روکا تھا
صلاح الدینؒ نے ہی یورپ کے غرور کو پاش پاش کیا تھا
دینِ محمدؐ نے کیمونزم کے طنطنے کو زمیں بوس کیا تھا
.....
۱۱ ستمبر کو
اچانک یہ کیا ہو گیا؟
مغرب سے
کراں تا کراں
افق تا افق
طوفان اٹھنے لگے
ظلم کی، بکر کی
آندھیاں چھانے لگیں
صنم کدۂ فرنگ

استعمارِ مجسم

دانت پیسنے لگا، دھمکانے لگا

غرانے لگا، چنگھاڑنے لگا

شیاطین ارض جلو میں لئے

اس نے ملت پہ یلغار کر دی

پھر اک جاں گداز منظر

چشمِ عالم نے دیکھا

کہ ایک حاکم جو تیغوں کے سائے میں پلا تھا

ظلم کے روبرو

راکھ کا ایک ڈھیر تھا

نتیجہ؟

ملت افغان پارہ پارہ شُد

س کے کہسار اب نگوں سار ہیں

اس کی وادیاں پامال ہیں

اس کی آبرو لٹ گئی ہے

آسماں راحق بود گر خوں ببارد برزمیں

برزوالِ ملک ''ملا عمر'' امیر المؤمنیں

.....

اب سامراج مجبور کر رہا ہے

کشمیر پر بھارت سے مذاکرات کرو

لیکن بھارت سے ڈائیلاگ ناممکن!

وجہ؟

پاکستان برسرِ حق ہے اور بھارت ظالم!

.....

خدا گواہ ہے کہ

پاکستان اپنی قوت سے واقف ہے

پاکستان کے بحر و بر میں طوفان پلتے ہیں

پاکستان کا عزم جواں ہے

پاکستان کی فوج عظیم ہے

پاکستان کا ہر عسکری سیف اللہ ہے

پاکستان کا ہر فرد نا قابل تسخیر ہے

پاکستان کا اسلحہ جدید ہے

پاکستان کا ایٹم بم؟

اللہ کی برہان ہے

پاکستان باطل سے کبھی نہیں دبے گا

پاکستان بھارت کے سامنے سرکشیدہ چلے گا

لہذا مذاکرات چہ معنی دارد؟

η η γ γ ϕ ϕ

سید کاشف گیلانی

جو ہم بدلے تو شکوہ کیوں کریں اُن کے بدلنے کا

ہر اک دستور بدلا ہے مزاجِ یار کیا بدلا
اصولِ زندگی بدلے ہیں آئینِ وفا بدلا

ابھی جس معرکے میں اہلِ حق نے مار کھائی ہے
ہماری بزدلی نے اُس میں قانونِ خدا بدلا

کہاں ہیں وہ مسلماں دھاک تھی جن کی زمانے پر
جہاں نے ٹھوکروں سے جن کی اپنا راستہ بدلا

ہماری بھیک پہ پلتی تھی دنیا اک زمانے میں
یہ کیسا انقلاب آیا سخی بدلے گدا بدلا

کیا برباد افغانوں کو جرمِ بے گناہی نے
مصیبت کی گھڑی میں دوست بدلے آشنا بدلا

ابھی تک کاسہ لیسوں کے اثر کے ہم نہیں نکلے
نہ ہم نے راہ بدلی ہے نہ اپنا رہ نما بدلا

خدا سے مانگنے میں بھی عدو سے خوف آتا ہے
عدو کے خوف سے مسلم کا اندازِ دعا بدلا

ہوئے ہیں جب سے ہم محرومِ ایماں کی حرارت سے
ہماری بے بسی نے شیوۂ قدر و قضا بدلا

خدا کو چھوڑ کر اصنام کی چوکھٹ پکڑ لی ہے
وفا کا رُخ بدل دینے سے انجامِ وفا بدلا

جو ہم بدلے تو شکوہ کیوں کریں اُن کے بدلنے کا
زمیں بدلی ، فلک بدلا ، بشر بدلے ، خدا بدلا

ابھی تک کر رہے ہیں جانے کیوں ہم اعتبار اُس کا
ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے جو بارہا بدلا

وہ کیسا یار ہے جب چاہے آنکھیں پھیر لیتا ہے
مگر اُس پر بھروسے کا نہ ہم نے سلسلہ بدلا

خدا کو چھوڑ کر گن گا رہے ہیں اہلِ طاقت کے
مسلمانوں نے کیوں اسلوبِ تسلیم و رضا بدلا

یہ دنیا جس سے ڈرتی ہے اُسی کا ساتھ دیتی ہے
مری طرزِ نوا بدلی تو میرا ہم نوا بدلا

وہی سچے ہیں جن کی پشت پر طاغوت رہتا ہے
ہمارے دور میں پیمانۂ صدق و صفا بدلا

مجھے آتا ہے رونا اُن کی دانش پر بہت کاشفؔ
جنہوں نے اپنی صورت تو نہ بدلی آئینہ بدلا

δ δ δ δ

موجودہ حالات دینی قوتوں کیلئے بہت بڑی آزمائش اوران کے تدبّر وبصیرت کا کڑا امتحان ہیں

(قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری کا تلہ گنگ میں خطاب)

تلہ گنگ (ڈاکٹر محمد عمر فاروق) مجلس احرار اسلام پاکستان کے سربراہ سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا ہے کہ حکمران اپنے سات نکاتی ایجنڈے کی بجائے امریکی ایجنڈے کی تکمیل کیلئے کوشاں ہیں۔مخلوط انتخابات کا اور دینی قوتوں کے خلاف کریک ڈاؤن اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔سید عطاء المہیمن بخاری نے ان خیالات کا اظہار تلہ گنگ میں مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام مسجد سیدنا ابوبکر صدیق تلہ گنگ میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔انہوں نے کہا کہ اسلام دہشت گردی کا علمبردار نہیں بلکہ امن وسلامتی کا دین ہے اور دینی قوتوں نے ہی پاکستان کی اجتماعیت اور اس کے وجود کو قائم رکھا ہے۔اگر دینی قوتیں سیکولرازم،کمیونزم اور مغربی تہذیب وثقافت کے آگے بند نہ باندھتیں تو پاکستان اپنے قیام کے ابتدائی برسوں ہی میں اپنا وجود کھو چکا ہوتا اور پاکستانی قوم غیروں کی دست نگر ہوتی۔سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا کہ اب جبکہ اللہ کے فضل وکرم سے پاکستان ایک نیوکلیئر پاور ہے۔ہمارے حکمرانوں امریکہ کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دینا قومی غیرت اور دینی حمیت کے منافی اقدام اور ملک وقوم کو تباہی وبربادی کے گڑھے میں دھکیلنے کے مترادف ہے۔انہوں نے کہا کہ افغانستان کی اسلامی حکومت کے خلاف اگر پاکستان امریکہ کا ساتھ نہ دیتا تو آج ہمیں پاک افغان سرحد پر نہ تو فوجیں تعنات کرنا پڑتیں اور نہ ہی افغان مسلمانوں پر ظلم وتشدد کی یہ قیامتیں ٹوٹتیں۔انہوں نے کہا کہ دینی قوتوں کیلئے موجودہ حالات بہت بڑی آزمائش اوران کے تدبر وبصیرت کا کڑا امتحان ہیں۔اہلِ حق کے باہمی اتحاد ہی سے طاغوتی قوتوں کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔مجلس احرار اسلام دینی جماعتوں کے شانہ بشانہ قربانی وایثار کے ہر محاذ پر ہراول دستہ ثابت ہوگی۔

منکرین ختم نبوت کو ڈھیل دینے والے حکمران یاد رکھیں، قادیانیت نوازی ان کو لے ڈوبے گی

جنرل مشرف کے اردگرد کئی سکہ بند قادیانیوں نے گھیرا تنگ کیا ہوا ہے (عبداللطیف خالد چیمہ)

لاہور (۱۸فروری) مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ منکرین ختم نبوت کو ڈھیل دینے والے حکمران یاد رکھیں، قادیانیت نوازی ان کو لے ڈوبے گی۔قادیانیت کے محاذ پر جدوجہد ناموسِ رسالت ﷺ کا تقاضا ہے۔وہ ۱۸فروری کو جیلانی میموریل اکیڈمی، خیبر بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور میں ''عصر حاضر میں تحفظ ختم نبوت کے تقاضے'' کے عنوان پر منعقدہ اجتماع سے خطاب کررہے تھے۔انہوں نے کہا کہ ملکی سلامتی کے حوالے سے یہ امر انتہائی تشویشناک ہے کہ پالیسی ساز اداروں اور متعدد حساس اور کلیدی عہدوں پر منکرین جہاد'' قادیانیوں'' کو

تعینات کر دیا گیا ہے اور بعض اہم ادارے تو قادیانیوں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انسانی حقوق کے بین الاقوامی اداروں کے ذریعے سے قادیانیت کی مظلومیت کا پراپیگنڈہ حالات وواقعات کے برعکس ہے۔ یہود ونصاریٰ کے وسائل سے اپنے کفر وارتداد اور زندقہ کو اسلام کا نام دینے والے مسلمانوں کے بنیادی وند ہبی حقوق پر شب خون مار رہے ہیں۔ خالد چیمہ نے الزام لگایا کہ جنرل مشرف کے اردگرد کئی سکہ بند قادیانیوں نے گھیرا تنگ کیا ہوا ہے۔ جہاد کی تنسیخ کا پہلا اعلان مرزا قادیانی نے کیا تھا، جہاد کی نفی اور مسلمانوں سے جذبہ جہاد ختم کرنے کیلئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کرنے والے یاد رکھیں کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ انہوں نے تمام مسلمانوں سے بالعموم اور دینی جماعتوں سے بالخصوص اپیل کی کہ وہ قادیانیوں کی ریشہ دوانیوں کے سدِّ باب کیلئے متحد ہو جائیں اور حکومت کی قادیانیت نواز پالیسی پر مؤثر احتجاج کریں۔

ہم سے ہمارا عقیدہ بھی چھیننے کی کوشش کی جارہی ہے

(عبداللطیف خالد چیمہ)

بورے والا (۲۵ر فروری) مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا ہے کہ موجودہ حکومت امریکی ایجنڈے کی تکمیل کیلئے جس حد تک آگے جارہی ہے اس سے لگتا ہے کہ کچھ باقی نہیں رہے گا۔ اب تو ہم سے ہمارا عقیدہ بھی چھیننے کی کوشش کی جارہی ہے۔ وہ مجلس احرار اسلام بورے والا کے ناظم مولانا عبدالنعیم نعمانی کی رہائش گاہ پر پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے۔ اس موقع پر صوفی عبدالشکور احرار اور نوید احمد بھی موجود تھے۔ خالد چیمہ نے کہا کہ صدر مشرف کو اتنی ''جرأت'' بھی نہیں ہوئی کہ وہ امریکی ایوانِ نمائندگان میں قانون توہین رسالت (ﷺ) اور تحفظ ختم نبوت سے متعلق قانون ختم کرنے کی قرارداد کی موقع پر مذمت کرے۔ صدر مشرف امریکہ کی اطاعت کے صلہ میں ماضی کے تمام حکمرانوں پر سبقت لے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کے متفقہ آئین کو چھیڑنے اور اسلامی دفعات کو ختم کرنے کے امریکی ایجنڈے پر عمل کرنے سے پہلے یہ واضح رہنا چاہیے کہ موجودہ غیر منتخب حکومت کو اس کا کوئی آئینی وقانونی اور اخلاقی اختیار حاصل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ مخلوط الیکشن کا فیصلہ پاکستان کے نظریاتی تشخص کو تباہ کرنے اور قادیانیوں کو مسلط کرنے کی گھناؤنی سازش کا حصہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اندرون ملک اور بیرون ملک قادیانی پاکستان اور اسلام کے خلاف خطرناک کارروائیوں میں مصروف ہیں اور حکومت پردہ پوشی کا مظاہرہ کر کے بدترین اسلام دشمنی اور قادیانیت نوازی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ انہوں نے دینی جماعتوں پر زور دیا کہ وہ مسئلہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے اپنا کردار ادا کرنے کیلئے مشترکہ لائحہ عمل طے کریں۔

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

''واردات ومشاہدات''	ضخامت: ۸۰۰صفحات۔ قیمت: ۳۰۰ روپے ، اشاعت: باراوّل، ستمبر
مؤلف: حافظ عبدالرشید ارشد	۲۰۰۱ء ، ناشر: مکتبہ رشیدیہ ۲۵۔لوئر مال، مقابل ناصر باغ۔لاہور

حافظ عبدالرشید ارشد معروف عالم دین ہیں۔ وضع قطع کے اعتبار سے ''درویشِ خدامست مگر دل کے غنی ہیں'' شگفتہ مزاج اور سادہ طبیعت پائی ہے۔اُن کے عجز و انکسار کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔اللہ تعالیٰ کا اُن پر خاص فضل وکرم یہ ہوا کہ انہیں اپنے عہد کی بڑی اور قد آور شخصیات سے استفادے کا موقع نصیب ہوا۔علم اور حلم دونوں نعمتوں سے متصف ہیں۔لکھتے اور خوب لکھتے ہیں، دل میں اُتر جاتے ہیں۔

''واردات ومشاہدات'' اُن کی تازہ تالیف ہے۔ماہنامہ ''الرشید'' میں مختلف شخصیات کے انتقال پر انہوں نے جو تأثرات قلمبند کئے یا مختلف موضوعات پر واردات ومشاہدات رقم کیے، وہ اس کتاب میں شامل ہیں۔یہ کتاب کی پہلی جلد ہے۔عقائد و اعمال ،مسائل و معارف ،اصلاحِ احوال ،شخصیات اور اُن سے متعلق تحریکات ،تأثرات و واقعات ،سیرت وسوانح اور تاریخ وسیاست کے حوالے سے ایک خوبصورت گلدستہ ہے۔رواں قلم ،انداز سلیس اور عام فہم ،تکرار اور تقدم وتأخر کا لحاظ کئے بغیر لکھتے چلے جاتے ہیں۔خوبی یہ ہے کہ قاری اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا۔جس طرح وہ لکھتے چلے جاتے ہیں۔بعینہٖ قاری بھی اُن کے ساتھ دوڑتا چلا جاتا ہے۔علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ ،سید سلیمان ندویؒ ،مولانا اشرف علی تھانویؒ ،مولانا عبیداللہ سندھیؒ ،علامہ اقبالؒ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے لے کر عصر حاضر کی شخصیات سید ابو الحسن علی ندویؒ اور سید ابوذر بخاریؒ تک اساتذہ ،ادیب وشاعر ،صحافی اور علمی دوستوں سے لے کر ذاتی دوستوں اور عزیزوں تک کو واردات ومشاہدات میں ،جس طرح انہوں نے یاد کیا ہے ،حق تو یہ ہے کہ حق ادا کر دیا ہے۔معلومات کا خزینہ ،یادوں کا حسین گلدستہ اور تأثرات کا خوبصورت مرقع ،طباعت وکتابت معیاری ودیدہ زیب یعنی سونے پہ سہاگہ ....

''بیس بڑے مسلمان'' ، ''بیس مردانِ حق'' اور ''الرشید'' کی وقیع اور تاریخی اشاعتوں کے بعد ''واردات و مشاہدات'' اُن کی تالیفات میں گراں قدر اضافہ ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں صحت وعافیت کے ساتھ سلامت رکھے تاکہ وہ کتاب کی جلد دوم ، ''بیس علماء حق'' اور ''حیاتِ مستعار'' جیسی اپنی زیر ترتیب کتابوں کو بھی جلد شائع کر سکیں۔ (مدیر)

''مینارۂ نور'' (حصہ دوم)
مؤلف: قاضی محمد اسرائیل گرنگی مانسہرہ

ضخامت: مکتبہ انوار مدینہ، جامع مسجد صدیق اکبر، محلہ صدیق آباد (اپر چنئی) مانسہرہ، ہزارہ ڈویژن، صوبہ سرحد

قاضی محمد اسرائیل صاحب تقریر وتحریر کے ذریعے عامۃ الناس کی اصلاح کیلئے دینی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ ''مینارۂ نور'' (حصہ دوم) اُن کے سلسلۂ مطبوعات کا ۶۰ واں شاہکار ہے۔ مسنون اعمال دعائیں، طبِ روحانی، غذاؤں کا استعمال اور فوائد وخواص، زبان وادب، اور تاریخی واقعات پر مشتمل ۱۷۱ عنوانات کا گلدستہ اس کتاب میں مہک رہا ہے۔ بقول مؤلف دین اسلام کے سیکڑوں پھول..... ہر ایک کی خوشبو نرالی ہے''۔

''فکرِ چمن''
خطاب: مولانا فضل الرحمٰن

ضبط وترتیب: عبدالوہاب فاروقی، ناشر: دارالعلوم صدیقیہ زروبی صوابی۔ صوبہ سرحد

جمعیت علماء اسلام کے امیر مولانا فضل الرحمٰن کا تاریخی خطاب جو انہوں نے نشتر ہال پشاور میں کیا۔ پندرہ روزہ ''نجات'' پشاور کے مدیر عبدالوہاب فاروقی نے اسے مرتب کیا ہے۔ اس خطاب میں مولانا فضل الرحمٰن نے درج ذیل عنوانات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ پچیس برسوں کے اندر پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا امریکی منصوبہ، پنجاب میں عیسائی اور شمالی علاقہ جات میں آغا خانی ریاست کا قیام، ضلعی نظام، پاکستان کو ملٹی نیشنل کمپنیوں کو فروخت کرنے کی سازش، این جی اوز کی سرپرستی، پاکستان کا اسلامی تشخص ختم کرنے کا پروگرام اور دینی مدارس کو تباہ کرنے کا ہدف ہے۔ ۳۰ روپے میں یہ رسالہ درج بالا پتے سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی۔ ملتان/ ۲۸ مارچ ۲۰۰۲ء بروز جمعرات بعد نماز مغرب

ابن امیر شریعت، حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم

امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

الداعی: سید محمد کفیل بخاری، ناظم، مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان فون 061-511961

مسافرانِ آخرت

گزشتہ دنوں درج ذیل حضرات وخواتین انتقال کر گئے۔احباب وقارئین سے درخواست ہے کہ ان کیلئے دعاء مغفرت اور ایصالِ ثواب کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔اراکین ادارہ تمام مرحومین کیلئے دعاءِ مغفرت کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے،درجات بلند فرمائے،اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔آمین (ادارہ)

☆ دارالعلوم کبیر والا کے مہتمم مولانا محمد انور صاحب کی والدہ ماجدہ (۳۱ر جنوری)

☆ مجلس احرار اسلام بہاولنگر کے صدر حکیم عبدالغفور صاحب کی اہلیہ مرحومہ

☆ رانا محمد سلیم مرحوم: مجلس احرار اسلام ملتان کے کارکن رانا محمد اشرف صاحب کے بڑے بھائی

☆ رانا شیر محمد صاحب کے جواں سال فرزند (ملتان)

☆ سالار عبدالعزیز مرحوم: مجلس احرار اسلام سیالکوٹ کے صدر اور قدیم احرار کارکن (۱۵ر فروری)

☆ صوفی عبدالستار مرحوم: حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے دیرینہ نیاز مند اور مجلس احرار اسلام ملتان کے سابق سالار (۱۷ر فروری ۲۰۰۲ء)

☆ محمد سعید مرحوم: پروفیسر ڈاکٹر شاہد کاشمیری (لاہور) کے بڑے بھائی (۱۷ر فروری ۲۰۰۲ء)

☆ میاں محمد اویس کی نانی صاحبہ اور میاں محمد نعمان کی دادی صاحبہ مرحومہ (لاہور)

☆ رانا فیض یاب مرحوم: چیچہ وطنی میں ہمارے کرم فرما، حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری کے دیرینہ مخلص دوست، صدر انجمن مسجد عثمانیہ، نہایت شفیق ومہربان سماجی، سیاسی کارکن

☆ محترم چودھری میاں خان چیمہ مرحوم: چیچہ وطنی میں ہمارے کرم فرما محترم ڈاکٹر محمد اعظم چیمہ اور محمد آصف چیمہ کے چچا

☆ عبدالقدوس مرحوم: مسجد نور ملتان کے کے مدرس حافظ رحیم بخش کے عزیز (۶ر فروری ۲۰۰۲ء)

☆ محترم محمد صادق شاہ صاحب ریجنل منیجر قریشی انڈسٹریز ساہیوال کے کسن بیٹے

☆ والدہ مرحومہ قاری عبدالقیوم (چکوال)

☆ مجلس احرار اسلام تلہ گنگ کے معاون محترم چودھری غلام شبیر صاحب کے والد ماجد

☆ رانا محمد بشیر مرحوم: مدرسہ ختم نبوت بورے والا کے معاون رانا محمد خالد کے چچا

دعاءِ صحت

مجلس احرار اسلام ملتان کے قدیم کارکن محترم نذیر بٹالوی صاحب طویل عرصہ سے علیل ہیں۔احباب وقارئین سے اُن کی صحت یابی کیلئے دعاء کی درخواست ہے۔(ادارہ)

جوہر جوشاندہ

قدرتی جڑی بوٹیوں سے بنا قرشی کا جوہر جوشاندہ فلو، نزلہ اور زکام کی کیفیت میں فوری آرام پہنچاتا ہے۔

ایلوپیتھک دواؤں کے مضر اثرات سے پاک، محفوظ و مؤثر جوہر جوشاندہ خاندان کے ہر فرد کے لیئے یکساں مفید ہے۔

ایک کپ گرم پانی یا چائے میں ایک پیکٹ ملا کر استعمال کیجئے۔

فلو، نزلہ یا زکام پہنچائے فوری آرام

Monthly
NAQEEB-E-KHATM-E-NUBUWWAT
Multan

تمام مسلمانوں کو اسلامی سالِ نو ۱۴۲۳ھ مبارک

سالانہ مجلسِ ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ

(۲۸) اٹھائیسویں

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی
ملتان

۱۰ محرم ۱۴۲۳ھ

۱ بجے دن تا نماز عصر

بانی

محسنِ احرار، ابن امیر شریعت
سیّد عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بیاد

سبطِ رسول، پورِ بتول
قتیل سازش ابن سباء
شہیدِ غیرت، مظلوم کربلا

سیّدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما

آلِ نبی، اولادِ علی، قائدِ احرار ابن امیر شریعت

خصوصی خطاب

حضرت پیر جی
سیّد عطاء المہیمن بُخاری
دامت برکاتہم

☆ تاریخ وسیرت کی روشنی میں تذکار وافکار حسین رضی اللہ عنہ اور حقیقت حادثۂ کربلا بیان کریں گے۔ بارگاہِ حسینی میں ہدیہ عقیدت ومحبت پیش کریں گے۔

شعبہ نشر واشاعت **مجلس احرار اسلام** پاکستان